01
An32

وقار انیس

انجمن محافظ اردو لکھنؤ کی بیسویں خدمت

ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی اٹھارھویں کڑی

جلد دوم

مرتبہ
حضرت مہذب مدظلہ صدر
انجمن محافظ اردو لکھنؤ

ناشر
سید حسن اکمل آل سکریٹری (معتمد)
انجمن محافظ اردو منصور نگر نیا محل لکھنؤ

قسط ماہ مئی
۱۹۵۴ء

قیمت دو روپیہ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس ناداں محل روڈ لکھنؤ

فہرست

اظہار خلوص

میں بہ حیثیت صدر انجمن محافظ
اُردو شاعر عدیم المثال مداح باکمال
حضرت انیس رحمہ اللہ کے مراثی
مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی جلد یعنی
اٹھارویں قسط کو محبِ آل رسول
دوستدار فرزند بتولؑ مائیہ ناز قوم
و ملت صاحب ثروت و دولت
سرپرست انجمن محافظ اُردو

راجہ سید احمد مہدی صاحب (پیرپور)

کے نام نامی سے معنون کرنے کا
فخر حاصل کرتا ہوں۔

خیر طلب مہذب لکھنوی
صدر انجمن محافظ اُردو

مُقدّمہ

اسی کا نام دنیا میں حیات جاودانی ہے
بقائے نامِ انساں درحقیقت زندگانی ہے

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے دن پورے کر کے دنیا کو خیرباد کہتا ہے۔ بیمار پڑتا ہے تو عزیز و اقارب حتی الامکان علاج کرتے ہیں۔ بیمارداری میں وقت صرف کرتے ہیں مگر موت جس کا کوئی علاج نہیں وقت معین پر آجاتی ہے۔ دنیا سے جانے والا بہ نگاہ حسرت سب کو دیکھتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مُہر سکوت لبوں پر لگا لیتا ہے۔ وقتی افسوس اہل و عیال عزیز و دوست کو ہوتا ہے۔ گھر میں کہرام مچ جاتا ہے۔ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مرنے والے کا غم اسی طرح صدیوں باقی رہے گا۔

اولاد گریباں چاک کر کے سر و سینہ پیٹتی ہے۔ کوئی پچھاڑیں کھاتا ہے۔ کوئی اپنے کو میت پر قربان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ماں بلائیں لیتی ہے۔ بین دوسروں کے دلوں کو ہلا دیتے ہیں وہ منظر اہل نظر کو کچھ عرصہ تک یاد رہتا ہے۔

زوجہ اپنے سُہاگ کا ماتم کرتی ہے۔ اپنی اُن راحتوں کو یاد کرتی ہے۔ جن کی آخری ساعت شوہر کی آخری ہچکی تک ختم ہو گئی۔

اعزا غم و ماتم کرتے ہیں مگر اس پیمانے تک جس قدر مرنے والے کی ذات سے فائدے کا تعلق تھا بُرے وقت میں کام آنا یاد آتا ہے مصیبت میں ہاتھ بٹانا خون کے آنسو رُلاتا ہے۔

دوست رُہانسا چہرہ بناتے ہیں۔ زیادہ تر روتے ہیں مگر اس خیال کے ماتحت کہ دلچسپیاں ختم ہو گئیں لُطف صحبت جاتا رہا سچا مددگار چھوٹ گیا۔ یہ سب کچھ کب تک ہوتا ہے جب تک کسی نہ

کسی گورستان میں سپردِ خاک نہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ منزلیں شروع ہو جاتی ہیں جہاں سے یاد محو ہونے لگتی ہے۔

رفتہ رفتہ وہ غم جس کے متعلق خیال ہوتا تھا کہ تاحیات کم نہ ہوگا۔ دل سے دُور ہوتے ہوتے اُس منزل تک پہونچ جاتا ہے۔ جہاں سے سہو کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصہ تک دن رات تذکرہ رہتا ہے۔

کوئی کہتا ہے کل کی بات تھی۔ یہاں پر نماز پڑھتے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ ہنسانے والی باتیں یاد آتی ہیں کیا پُر مذاق طبیعت پائی تھی جہاں بیٹھ گئے باغ لگا دیا۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمیں پانچ روپیہ مہینہ دیتے تھے کون دے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ ہماری زندگی کا لُطف اُن کے ساتھ چلا گیا۔ ہائے ہمارا پوچھنے والا کوئی نہ رہا۔

اس کے بعد یہ ذکر بھی عدم کی منزل تک پہونچ جاتا ہے۔ اگر سالانہ کسی قسم کی یادگار قائم ہے تو تھوڑی دیر کے لیے بھولا سبق دُہرا لیا جاتا ہے۔

ایک عرصہ گزرنے پر اتفاقیہ یاد آنے لگتی ہے۔ کسی مناسبت سے تذکرہ ہو کے جلد سے جلد ختم ہو جاتا ہے۔

(اسی کا نام دُنیا ہے)

مگر سب مرنے والے ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ خواہ اہل و عیال عزیز و دوست دل سے بھلا بھی دیں مگر اُن کے کارنامے اُن کے کمالات کی تصویریں دُنیا سے محو نہیں ہوتیں۔ بظاہر اُن کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو عموماً دنیا کے انسانوں کا ہوتا ہے یعنی عمر طبعی کو پہونچ کے یا وقت آنے پہ دنیا کو اُسی طرح خیرباد کہتے ہیں جس طرح آدم سے لے کے اس وقت تک کے مرنے والوں نے خیرباد کہا۔

مر گئے۔ لاش اُٹھ گئی۔ پیوندِ زمیں کر دیے گئے۔ پس ماندگان نے رُسوم ادا کر کے بڑے فرض

سے شکست وشمن حاصل کرلی۔ لیکن کیا وہ حقیقتاً مر گئے ایسا نہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مر گئے تو زندگی کے کیا معنی۔

اس کا جواب اتنا ہی آسان ہے۔ جتنا کسی صاحب عقل سے دریافت کیا جائے کہ دو دو کتنے ہوتے ہیں بغیر فکر جواب ملے گا چار۔

بالکل یہی صورت ایک اُس ہستی کی ہے۔ جو اپنے کمالات میں دنیا کی بے مثال ذات ہو۔ فن کی موجد ہو اُس کے کارنامے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آئندہ نسلوں کے لیے خضرِ طریقت کا کام کریں۔ اگر مرنے کے بعد کوئی کہے کہ فنا ہو گئے تو دنیا بے تحاشا پکار اُٹھے گی۔ نہیں مرے نہیں زندہ ہیں۔

دنیا کی ایسی جتنی ہستیاں بظاہر فنا ہوئیں۔ سب اپنے کارناموں کے سبب سے باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔

دُور کیوں جایئے۔ اپنے ملک کی مایۂ ناز فردِ لکھنؤ کے لیے قابلِ افتخار ذات حضرت انیسؔ رحمۃ اللہ کو لے لیجیے۔ بظاہر مر گئے دفن ہو گئے۔ مقبرہ میں پختہ قبر بھی ہے۔ گو خاندان والوں کی کم توجہی سے کوئی ایسا کتبہ نہیں ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ انیسؔ کی قبر یہ ہے۔ باوجود اس کے انیسؔ اسی طرح زندہ ہیں۔ جس طرح وقتِ ولادت سے وقت انتقال تک زندہ تھے۔

انیسؔ کون تھے۔ خاندان سادات کی ایک فرد۔ کبھی مبتدی بھی تھے۔ ان کی محنت وجانفشانی اور تائید پروردگار نے وہ جوہر مرحمت فرما دیا کہ اپنے ہمعصروں اپنے ہم فنوں میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے۔ مداحی سید الشہدا شروع کی خدا معلوم کیا خلوص تھا کہ قدرت نے کلام میں کوٹ کوٹ کے تاثیر بھر دی۔

خوش قسمتی نے زندگی میں بھی ساتھ دیا اور مرنے پر بھی دامن نہ چھوڑا۔ آج انیسؔ کی یاد اسی طرح تازہ ہے جس طرح زندگی میں دنیا کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ جو کچھ چھوڑ کے گئے وہ نہ دولت تھی نہ زر و جواہر۔

جلد فنا ہو جانے والے کاغذ پر کچھ مرثیے کچھ سلام کچھ رباعیاں چھوڑی تھیں۔ اللہ اثر اس کا نام ہی تائید غیبی اسی کو کہتے ہیں۔ کہ وہی مرثیے چھ جلدوں میں طبع ہوئے ہر ہر مرثیے کی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نقلیں عالم کے گوشے گوشے میں پہونچ گئیں۔ کیا حقیقت کچھ نہ تھی صرف خوش قسمتی یا تائید غیبی تھی۔

نہیں ایسا نہیں بلکہ مرنے والے نے وہ بیش بہا جواہر چھوڑے تھے کہ باوجود اتنی کوششوں کے دنیا کے جوہری اچھی طرح ابھی تک پرکھ نہ سکے۔

کلام کا جتنا جتنا مطالعہ کرتے جایئے اُتنے اُتنے انکشاف کمالات ہوتے جائیں گے۔ قدرت نے اپنی صناعی کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ ہر ذات کے لیے کچھ خصوصیات ہوتے ہیں جو اُس کی زندگی کے لیے ایک طویل مُدت کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اِس ذات بے مثال فرشتہ خصال نے اِس خلوص سے مدّاحی کی کہ مقبول بارگاہ معصومین علیہم السلام ہو گئی۔

خصوصیات کلام کے تذکرے کے لیے یہ چند صفحات بالکل ناکافی نظر آرہے ہیں دوسرے ایک حد تک دنیا خود بھی واقف ہو چکی ہے۔ اور واقف کرائی جا چکی ہے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ اتنا خوش قسمت اور مقبول ذاکر و مدّاح نظر نہیں آتا۔ یہ دنیاوی شہرت و محبت کے اعتبار سے عرض کیا جا رہا ہے۔ خدا معلوم عقبیٰ میں کیا مراتب ہوں گے۔

کیا یہ خوش قسمتی اور معجزہ مدّاحی کے جانے کے لائق بات نہیں ہے کہ ۱۹۵۸ء کا حضرت انیس کا کہا ہوا مرثیہ جو آج تک صندوقچوں میں بند چلا آتا تھا اور آج تک زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اتفاق سے جس کا آخری حصہ دیمک اور کیڑوں کی نذر ہو گیا وہ دستیاب ہو گیا اور حُسنِ اتفاق کہ ایسے شخص کو ملا جو ہمہ وقت غیر مطبوعہ کلام کو طبع کرانے کی فکر میں رہتا ہے۔

میں دو سال سے برابر عشرۂ محرّم کے مجالس پڑھنے کی غرض سے پٹنہ جاتا ہوں۔

خوش قسمتی سے میری میزبان ۔ ایسی ذات ہے جو واقعاً قدر دان مداح و اہل فن ہے ۔ میں جہاں اس بات کا شکریہ ادا کروں گا کہ میری میزبانی میں اُس محبت اور اولو العزمی سے کام لیا جاتا ہے جس کا مزا میرا ہی دل جانتا ہے وہاں اس چیز کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی ۱۹۷۳ء کے عشرہ محرم میں میرے محترم میزبان عالی جناب معلی القاب نواب سید وارث اسمٰعیل صاحب دام اقبالہٗ نے جلد کا پہلا مرثیہ جس کا مطلع یہ ہے ۔

یا خدا دل کو کسی کے غمِ اولاد نہ ہو

مجھے دکھانے کی غرض سے بڑے اہتمام سے محفوظ صندوقچے سے منگوا کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ مرثیہ ہے کہ جو حضرت انیس نے میرے جد اعلیٰ کی مجلس چہلم میں نظم فرما کے ۱۸۵۸ء میں پڑھا تھا ۔ اتفاق سے اس مرثیہ کی اصل پٹنہ میں رہ گئی جو اب تک محفوظ چلی آرہی ہے ۔ میں نے عرض کیا وہ کون بزرگ تو فرمایا کہ جناب نواب سید احمد حسین خاں صاحب عرف احمد نواب صاحب خلف اصغر جناب نواب سید قاسم علی خاں صاحب رضوی خلف سید عبد اللہ صاحب رضوی ۔

میں مرثیہ دیکھ کے بیتاب ہو گیا کئی مرتبہ ہمت کرنے کے بعد عرض کیا کہ کیا اس کی نقل مجھے دستیاب ہو سکتی ہے ۔ جناب نواب صاحب موصوف نے نہایت خندہ پیشانی سے فوراً یہ فرمایا کہ ضرور آپ کے لیے نقل حاضر ہے ۔ اب میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی ۔ چھٹی یا ساتویں محرم کی ہو چکی تھی ۔ مرثیہ لے کے خود لکھنا شروع کیا اور (۵۱ بند) دو دن میں لکھ کے جناب نواب صاحب موصوف کو اصل واپس کر دی ۔ آج بڑے فخر و ناز کے ساتھ ملک کے سامنے حضرت انیس کا غیر مطبوعہ کلام پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں ۔

خداوند عالم میری اس پُرخلوص خدمت کو قبول فرمائے۔

مرثیہ کیسا ہے اس کا فیصلہ اہل نظر پہ چھوڑ کے عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ بھی تلاش کرکے دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہوں اب شاید دنیا کو حسرت رہ جائے گی کہ کلام غیر مطبوعہ پھر سامنے آئے۔

اس غیر مطبوعہ مرثیے کی تاریخ یہ ہے کہ جوانہ مرگ نواب سید احمد حسین خاں صاحب مرحوم نے جن کی عمر ۱۶ سال کی تھی تپ محرقہ اور چیچک میں مبتلا ہو کے جہاں بوڑھے ماں باپ کو چھوڑ کے دنیائے فانی سے کوچ کیا تھا وہاں زوجہ اور بہت کمسن بچہ بھی چھوڑا تھا باپ نے جوان فرزند کے مرنے پہ جہاں انتہائی غم کیا وہاں انتہائی شان سے رسوم غم بھی ادا کئے۔ حضرت انیسؔ کو لکھنؤ سے بُلا کے مجلس چہلم پڑھوائی۔ حضرت انیسؔ نے نیا مرثیہ نظم فرمایا جس کے چہرے میں مرحوم کی علالت کا ذکر کیا۔ انتقال کے بعد زوجہ اور ماں باپ کی حالت کی صحیح مصوّری فرمائی ہے۔

نمونتاً ایک بند پیش کرتا ہوں یہ وہ محل ہے جب فرزند اپنی ماں کو سمجھا رہا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ میرے بعد ماں کو صبر آجائے۔ ماں سامنے کھڑی ہے اور دنیا سے جلد رخصت ہونے والا دل کا ٹکڑا ماں سے کہتا ہے۔ (بند)

شورُ رونے کا یہ بیکار ہے بیجا ہے یہ غُل
بال کیوں کھولے ہیں اے والدہ مثل سنبُل
باندھی رحلت پہ کمر جب تو ٹھہرتا نہیں گُل
ہجر ہو جاتا ہے چلائے کہ رووئے / تڑپے بلبُل
کس طرح نخل مُراد آپ کا پھلتا امّاں
زورِ گلچینِ اجل سے نہیں چلتا امّاں

اس بند کی چستی اس کی خوبی حُسن بندش کی کوئی انتہا نہیں۔

"میں جناب نواب سید وارث اسمٰعیل صاحب رئیس پٹنہ کا تہ دل سے متشکر ہوں کہ گوہر بے بہا مجھے مرحمت فرمایا۔"

دخیر طلب،

"مہذب لکھنوی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت انیس کا غیر مطبوعہ مرثیہ

(صدر انجمن محافظ اردو حضرت مہذب ظلہ کی بے پناہ کوششوں کا نتیجہ)

یہ مرثیہ حضرت انیس نے پٹنہ کے ایک رئیس کی مجلس چہلم کے لیے ۱۸۵۸ء میں نظم فرمایا تھا زبان و ادب کی خوش قسمتی سے ناخدائے سخن کا کلام غیر مطبوعہ تقریباً ۱۰۰ برس کے بعد زیور طبع سے آراستہ کر کے صاحبان ذوق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ کس پائے کا مرثیہ ہے اہل نظر خود فیصلہ فرمائیں (ادارہ)

(مرثیہ نو)

در حال حضرت علی اکبر علیہ السلام

یا خدا دل کو کسی کے غمِ اولاد نہ ہو

یا خدا دل کو کسی کے غمِ اولاد نہ ہو
مبتلا داغِ پسر میں کوئی ناشاد نہ ہو
یہ ریاضت کسی دشمن کی بھی برباد نہ ہو
اور سب دکھ ہوں جہاں میں پہ یہ بیداد نہ ہو
دل اسی کوفت میں نالوں کی صدا دیتا ہے
یہ وہ غم ہے جو کلیجے کو بٹھا دیتا ہے

کسی انساں کو نہ یہ داغ دکھائے اللہ
یہ وہ دکھ ہے کہ جہاں ہوتا ہے آنکھوں میں سیاہ
یہ ہے وہ درد کہ سب مانگتے ہیں جس سے پناہ
یہ وہ ماتم ہے کہ ہو جاتا ہے گھر جس سے تباہ
یہ وہ صدمہ ہے کہ دشوار ہے جینا جس سے
یہ وہ آتش ہے کہ جل جاتا ہے سینہ جس سے

یہ مرض وہ ہی کہ دنیا میں نہیں جس کی دوا
یہ وہ ہی زخم کہ مرہم نہیں جس کا بخدا
یہ وہ نشتر ہی کہ سینے میں کھٹکتا ہی سدا
یہ قلق وہ ہی کہ دل جانتا ہی جس کا مزا
شکل فرزند جو ماں باپ کو یاد آتی ہے
رات سب پیٹنے رونے میں گزر جاتی ہے

مرگ فرزند میں ہوتا ہی یہ احوال پدر
آگے آنکھوں کے پھرا کرتی ہی تصویر پسر
دل کسی وقت بہلتا نہیں شب ہو کہ سحر
گھر میں ٹھہرا نہیں جاتا کہ عزا خانہ ہی گھر
غم سے ہر بار جگر سینے میں ہل جاتا ہے
جیتے جی دل کو مزا موت کا مل جاتا ہے

ماں پسر کے لیے جب درد کے کرتی ہی بیاں
اشک خوں ہوتے ہیں بابا کے بھی آنکھوں سے رواں
ہائے پیارے مرے کہہ کہہ کے جو چلاتی ہی ماں
باپ کے دل سے بھی آتی ہی صدا ہائے جواں
وا دریغا کہ ضعیفی میں کمر توڑ گئے
پیٹنے رونے کو دنیا میں ہمیں چھوڑ گئے

خالی ہو جاتا ہی بیٹے کے جو سونے کا مقام
دل بھرا آتا ہی مادر ہوئی جاتی ہی تمام
رکھ کے منھ پیار سے تکیوں پہ یہ کرتی ہی کلام
واری ماں قبر میں آیا تمھیں کیونکر آرام
بستر خاک پہ بے چین نہیں ہوتے ہو
کیسے تربت میں کفن پہنے ہوئے سوتے ہو

حیف ہی تازہ جواں تھے ابھی احمدؔ نواب
کچھ اُٹھایا بھی نہ تھا لطفِ گلستان شباب
دے دیا زیست نے ایام بہاری میں جواب
بحر ہستی سے فنا ہو گئے مانند حباب
کیوں نہ جانکاہ ہو اُس جانِ جہاں کا مرنا
ماتم سخت ہی دنیا میں جواں کا مرنا

سن ابھی سولہ برس کا تھا کہ آ پہونچی قضا مبتلائے تپِ محرق ہوا وہ ماہ لقا!
کرب کیا کیا ہوئے کیا کیا نہ قلق دل پہ ہوا لبِ نازک سے نکالی نہ مگر اُف کی صدا
سوزشِ قلب کا اُس گُل کی عجب حال ہوا
جوش کھایا یہ لہو نے کہ بدن لال ہوا

جب کئی دن یونہیں لاحق رہا شدت سے بخار دانے چیچک کے بدن پر ہوئے ظاہر یکبار
بند رہنے لگی بیہوشی میں چشمِ بیمار غش سے چونکے بھی تو آیا کسی پہلو نہ قرار
جو پرستار تھے دل اُن کے دھڑکتے دیکھے
اشک ماں باپ کی آنکھوں سے ٹپکتے دیکھے

ضعف بڑھتا تھا گھٹی جاتی تھی سب تاب و تواں اُستخواں جلتے تھے خشکیدہ تھی گرمی سے زباں
دانے کثرت سے یہ نکلے کہ ہوا جسم نہاں لد گیا موتیوں میں سر سے قدم تک وہ جواں
موتیہ دانوں کی ایسی تھی چمک سینے پر
تھا یہ ثابت کہ جڑے ہیں گُہر آئینے پر

مُنھ پہ بھی آبلے تھے ہونٹوں پہ بھی تبخالے غم سے انگشت بدنداں تھے عیادت والے
باپ کے دل سے نکل جاتے تھے ہر دم نالے ماں کو اُس لال کے جینے کے پڑے تھے لالے
کہتی تھی سب مرا گھر بار لٹا دو لوگو
جان بچ جائے کوئی ایسی دوا دو لوگو

دمبدم ڈیوڑھی پہ ہوتی تھی طبیبوں کی پکار گھر تھا کثرت سے دواؤں کی دکانِ عطّار
صدقے سر پر سے اُتر جاتے تھے دن میں سو بار سیم بھی زر بھی تصدق تھا جواہر بھی نثار
غل تھا ہر وقت دعاؤں کا ہوا خواہوں میں
چلّے بندھتے تھے شفا کے لیے درگاہوں میں

کبھی تقدیر کے آگے نہیں چلتی تدبیر — نہ دوا نے نہ دعاؤں نے دکھائی تاثیر
شمع کی طرح گھلا جاتا تھا وہ ماہ منیر — تھی جو دل سوز وہ کرتی تھی یہ رو کر تقریر
ناتوانی سے مرض اور سوا ہوتا ہے
طور اچھے نہیں اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

کوئی کہتا تھا کرے رحم جناب باری — ہاتھ مل کر کوئی کرتا تھا فغان و زاری
شب تو بیمار پہ ہوتی ہے نہایت بھاری — کروٹیں لیتے تھے کس درد سے باری باری
جس نے منہ صبح کو با خاطر محزوں دیکھا
حال اُس نازوں کے پالے کا دگرگوں دیکھا

غم سے تھا سارے عزیزوں میں تلاطم برپا — کہیں آہوں کی صدا تھی کہیں رونے کی صدا
سب پہ روشن تھا کہ مر جائے گا یہ ماہ لقا — ماں یہ بیتابی میں سر کھول کے کرتی تھی دعا
وارد حیدرؑ و زہراؑ و محمدؐ ہو جائے
یا الٰہی مرے بچے کی دارو / بلا رد ہو جائے

حال اُس گُل کا ردی ہوتا تھا ہر دم ہر پل — انتظام نفس و نبض میں بالکل تھا خلل
سب یہ کہتے تھے کہ آپہنچی ہے نزدیک اجل — سخت ایذا میں ہوں اے جان بس اب تن سے نکل
دل کو راحت عوض صدمہ و آلام ملے
گوشۂ قبر میں اب سوئیں تو آرام ملے

واہ کیا صابر و شاکر تھا وہ نازوں کا پلا — اس شدائد پہ نہ شکوہ تھا زباں پر نہ گلا
حال پوچھا جو کسی نے تو کہا شکر خدا — جس نے بیمار کیا ہے وہی بخشے گا شفا
مبتلائے دو غم و رنج میں ہر چند ہیں ہم
مصلحت اس کی یہی ہے تو رضامند ہیں ہم

جبکہ پچیسویں ۲۵ شب ماہ رجب کی آئی
رات اُس چاند کے ٹکڑے پہ غضب کی آئی
جو گھڑی آئی وہ اک رنج و تعب کی آئی
فرط اندوہ سے جاں ہونٹوں پہ سب کی آئی
عالمِ یاس میں اُمید بھی مرجاتی ہے
سب کو دھڑکا تھا کہ ماتم کی سحر آتی ہے

ماں صدا دیتی تھی جی کیسا ہے مادر ہوشیار
کھول کر آنکھوں کو کہتا تھا یہ وہ گل رخسار
آج کچھ صبح سے دل کو نہیں پہلو میں قرار
دیر سے دیکھتا ہوں راہ میں اُس کی ہر بار
کشتیٔ نوحؑ کو طوفاں سے بچایا جس نے
پنجۂ شیر سے سلمانؑ کو چھڑایا جس نے

آپ کیوں روتی ہیں جو مرضیٔ ربِ اکبر
آگے ماں باپ کے مرتا نہیں کیا کوئی پسر
کارخانہ یہی جاری ہے یہاں شام و سحر
کوئی آتا ہے جہاں میں کوئی کرتا ہے سفر
شاکر معبود کا ہر حال میں دم بھرتے ہیں
پیر ناچاری سے جیتے ہیں جواں مرتے ہیں

شور رونے کا یہ بیکار ہے بیجا ہے یہ غلُ
بال کیوں کھولے ہیں اے سعد اللہ شکل سُنبل
باندھی رحلت پہ کمر جب تو ٹھہرتا نہیں گُل
ہجر ہو جاتا ہے چلّائے کہ روئے بُلبل
کس طرح نخلِ مراد آپ کا پھلتا اماں
زورِ گلچینِ اجل سے نہیں چلتا اماں

غور فرماؤ ذرا نہ بھی تو آخر ہیں بشر
جن کے آفاق میں مر جاتے ہیں بن بیاہے پسر
مجھ کو تو آپ نے دولہا بھی بنایا مادر
بیاہ لائیں دُلھن آباد ہوا آپ کا گھر!
صبر کیجیے گا وصیت یہ کیے جاتا ہوں
اپنا فرزند نشانی میں دیئے جاتا ہوں

حسرتیں آپ کی پوری ہوئیں سب اماں جان — حق نے ماں باپ کے سائے میں کیا ہم کو جوان
دھوم سے شوکت و حشمت سے چڑھایا پروان — کیجئے پوتے پہ ریاضت کہ ابھی ہے نادان
درد و غم میں مرے پیارے کی خبر رکھیے گا
اس پہ ہر حال میں شفقت کی نظر رکھیے گا

اتنے سے سن میں یتیمی کا ہے صدمہ جانکاہ — اب دعا کیجیے کہ زندہ رہے یہ نورِ نگاہ
اس کو دیکھا نہ جواں بس یہی حسرت رہی آہ — عرض اتنی ہے کہ جب کیجیے گا پوتے کا بیاہ
اس وصیت کو کہیں بھول نہ جانا اماں
میری تربت پہ دلھن دولھا کو لانا اماں

آپ تو عاشقِ اولادِ پیمبر ہیں کمال — ذکر سنتی ہیں جوانانِ علیؑ کا ہر سال
شہربانو کی مصیبت کا مناسب ہے خیال — مر گیا ہو کے جواں اکبر ذی جاہ سا لال
ہم تو بیاہے بھی گئے صاحب اولاد ہوئے
وہ تو بن بھولے پھلے کشتۂ بیداد ہوئے

بی بیوں میں ابھی برپا تھا جواں کا ماتم — رن میں جو لے گئے بچے کو شہنشاہ امم
ننھے سے حلق پہ جاتے ہی لگا تیر ستم — آئے میت لیے خیمے میں بصد درد و الم
غم کی پھر تیغ میانِ دلِ صد پاش آئی
ایک کی لاش گئی دوسرے کی لاش آئی

حال پر مادرِ قاسم کے ذرا کیجیے نگاہ — کوئی ماں خلق میں یوں دیکھے نہ فرزند کا بیاہ
جائے عبرت ہے کہ شب کو تو بنایا نوشاہ — صبح کے ہوتے ہی مارا گیا وہ غیرتِ ماہ
ٹکڑے تلواروں سے دولھا کے بدن کو دیکھا
لاش پر بیٹھے اک شب کی دلھن کو دیکھا

بولی مادر ترے سمجھانے کے اماں قرباں   اور جو دل کی تمنا ہو وہ کہہ تو مری جاں
کہا آہستہ کہ بس اب نہیں کوئی ارماں   بخشیے دُودھ کہ ہووے مری مشکل آساں
نزع میں دُودھ کا فرزند نے جب نام لیا
ماں نے سر پیٹ کے ہاتھوں سے جگر تھام لیا

پھر یہ بیٹے کو سُنایا بہ فغان و زاری   دُودھ میں نے یہ دل و جاں تمھیں بخشا واری
سُن کے یہ اشک ہوئے چاند رُخ پر جاری   سب سے فرمائے سخن صبر کے باری باری
رات آخر تھی کہ چشمِ نگراں بند ہوئی
صبح کے ہوتے ہی اُس گل کی زباں بند ہوئی

مُنھ پہ مُنھ رکھ کے بہت بیٹے کو ماں چلائی   مرنے والے نے نہ پھر بات کی مُہلت پائی
قبلہ رو کرتے ہی بس چہرے پہ زردی چھائی   سانس چھاتی میں رُکی موت کی ہچکی آئی
کرب سے پھر گئیں آنکھیں نکل آئے آنسو
دُرِ غلطاں کی طرح رُخ پہ ڈھل آئے آنسو

نزع میں سورۂ یٰسین ہوا جبکہ تمام   جنتِ خلد کو راہی ہوا وہ گُل اندام
دم نکلتے ہی بپا ہو گیا گھر میں کہُرام   ماں لگی پیٹنے لے لے کے جواں بیٹے کا نام
پاس میت کے کئی ساعتِ کامل تڑپی
خاک پر گر کے بہن صورتِ بسمل تڑپی

حشر اُس وقت کا خامے سے ہو کس طرح رقم   غُل وہ رونے کا وہ فریاد وہ شورِ ماتم
کوئی سر پیٹ کے کھاتی تھی پچھاڑیں پیہم   کوئی کہتی تھی نکلتا نہیں ہے ہے مرا دم
عورتیں گھر میں حزیں مرد تھے مضطر باہر
دل لرزتے تھے یہ کہُرام تھا اندر باہر

بعد کچھ دیر کے تابوت محل سے جو اُٹھا شور ماتم سے قیامت ہوئی اُس وقت بپا
باپ کو لوگ سنبھالے ہوئے کرتے تھے بکا غیر روتے تھے عزیزوں کا بھلا ذکر ہے کیا
دمبدم صوت فغاں چرخ سے جا ملتی تھی
ایسا ماتم تھا کہ پٹنے کی زمیں ہلتی تھی

غم میں چھوٹے کے بڑے بھائی کے تھی لب پہ فغاں چاک ماتم میں گریبان تھا اور اشک رواں
زندگی تلخ تھی تاریک تھا آنکھوں میں جہاں پیٹ کر سینہ و زانو یہی کرتے تھے بیاں
خلق سے عین جوانی میں سدھارا بھائی
مر گیا ہائے برابر کا ہمارا بھائی

جب چلا شان و تجمل سے جنازہ باہر بی بیاں ماں کو لگیں تھامنے با دیدۂ تر
کہتی تھیں وہ کہ سنبھلتا نہیں سینے میں جگر ساتھ تابوت کے جانے دو مجھے ننگے سر
گھر سے کیا کام ہے اب گھر تو لُٹا جاتا ہے
ہے غضب مجھ سے مرا لال چھُٹا جاتا ہے

ارے لوگو مجھے ہے موت سے بدتر یہ حیات زندگی جس کے سبب تھی ہوئی اُس گُل کی وفات
نوجواں قبر میں سونے کو چلا ہے ہیہات نظر آتی نہیں ہے ہے مجھے دولھا کی برات
خلعت آخری ہلکا ہے کہ بھاری دیکھوں
اپنے پیارے کی کدھر سے میں سواری دیکھوں

ہائے پیارا مرا ہے ہے مرا احمد نواب چھپ گیا آنکھوں سے خورشید رشک مہتاب
آیا لوگو مرے یوسف کو عجب طرح کا خواب رو کے چلاتی ہوں میں کچھ نہیں دیتے ہیں جواب
ایسے بے بس ہیں کہ آتے ہیں نہ سمجھاتے ہیں
کیسے تابوت میں خاموش چلے جاتے ہیں

حالِ مرحوم کی زوجہ کا کروں کیا تحریر   بال کھولے ہوئے ماتم کی ہو جیسے تصویر
چل رہی تھی دلِ مضطر پہ جو غم کی شمشیر   بین کرتی تھی یہ رو رو کے بحالِ تغئیر
غمِ جانکاہ ہے اندوہِ جدائی صاحب
تم سے پہلے مجھے کیوں موت نہ آئی صاحب

تفرقہ چرخِ ستمگر نے دکھایا یہ عجیب   دور میں رہ گئی اور تم گئے منزل کے قریب
کچھ نہ بس چل سکا اے گورِ غریباں کے سبب   دیکھا دم توڑتے آنکھوں سے تمھیں وائے نصیب
سچ ہے مہارت کے تھمنے کی قضا دیتی ہے
ساتھ برسوں کا یہ دم بھر میں چھڑا دیتی ہے

گر سفر تم کہیں کرتے تو نہ تھا کچھ وسواس   واں سے خط بھیجتے ہوتی مجھے پھر آنے کی آس
عمر بھر روؤنگی اس غم میں با حسرت و یاس   واں سدھارے ہو کہ آؤ گے نہ پھر کر مرے پاس
قبر سے اٹھ کے کوئی شکل ادھر آنے کی نہیں
حشر تک اب تو یہ صورت نظر آنے کی نہیں

موت نے لوٹ لیا راج ہمارا صاحب   زیست تم بن ہمیں کیونکر ہو گوارا صاحب
بے پدر ہو گیا یہ راج دلارا صاحب   ہم سے کیا سب سے کیا تم نے کنارا صاحب
کیا خبر ہے کسے راحت کسے آرام نہیں
ہجر میں روئے کہ پیٹے کوئی کچھ کام نہیں

خلق میں تھی یہی عورت یہ رنڈاپے کی جفا   صبر جیسا کیا اس بی بی نے دیکھا نہ سنا
لب پہ آہیں تھیں کبھی اور کبھی شکرِ خدا   کبھی جاری یہ زباں پر تھا کہ جو تیری رضا
بی بیاں بیٹھ کے پہلو میں جو سمجھاتی تھیں
دم بدم آنسوؤں کو پونچھ کے رہ جاتی تھیں

دکھ میں سیدانیوں پر ختم ہے صابر رہنا
کام انھیں کا ہے غم و رنج و مصیبت سہنا
حضرت فاطمہؑ کی لونڈیوں کا کیا کہنا
اتنی سی عمر میں رنڈسالے کا جوڑا پہنا
جب سے بیوہ وہ ہوئیں سوگ کے دن کٹتے ہیں
آج تک دیکھنے والوں کے جگر پھٹتے ہیں

اے سنیں اہلِ عزا حالِ امامِ دو جہاں
رن میں جب چل گئی اکبرؑ کے کلیجے پہ سناں
غش یہ آیا کہ بدن میں نہ رہی تاب و تواں
گر کے گھوڑے سے تڑپنے لگا وہ تشنہ دہاں
غل ہوا لختِ دلِ سبطِ نبیؐ کو مارا
ہم نے ہمشکلِ رسولِ عربیؐ کو مارا

سن کے یہ جیتے ہی جی مر گئے سلطانِ زمن
دلِ بیتاب یہ تڑپا کہ ہوا سرد بدن
دی صدا زینبؑ بیکس کو بصد رنج و محن
رن میں ہم جاتے ہیں بانو سے خبردار بہن
شیر مارا گیا برباد ہوا گھر زینبؑ
عازمِ ملکِ عدم ہیں علی اکبرؑ زینبؑ

چھٹ گیا باپ سے وہ باپ کا پیارا ہے ہے
کسی جلاد نے نیزہ اُسے مارا ہے ہے
خون میں ڈوب گیا چاند ہمارا ہے ہے
نہ رہا اب کوئی پیری کا سہارا ہے ہے
ہو گیا آنکھوں میں اندھیر کہ خورشید نہیں
اب ہمیں لاش کے ملنے کی بھی اُمید نہیں

کچھ مری آنکھوں سے آتا نہیں اس وقت نظر
اپنے اُس یوسفِ گم گشتہ کو ڈھونڈوں میں کدھر
بھانجا ہے نہ بھتیجا نہ برادر نہ پسر
کون لا دے مجھے اس گیسوؤں والے کی خبر
مضطرب فوج کے بادل کی طرف جاتا ہوں
گرتا پڑتا ہوا جنگل کی طرف جاتا ہوں

سن کے یہ خیمے کے باہر نکل آئی زینبؑ شور رانڈوں میں ہوا ہائے غضب ہائے غضب
ننگے سر رن کو چلا ابن شہنشاہ عرب زرد تھا چاند سا رخ خشک تھے یاقوت سے لب
دمبدم عرش کو نالوں سے ہلا دیتے تھے
علی اکبرؑ علی اکبرؑ کی صدا دیتے تھے

ناگہاں خاک پہ فرزند کو غلطاں پایا خوں میں ڈوبا ہوا اپنا مہ تاباں پایا
چور زخموں سے تن اکبرؑ ذی شاں پایا اُس مسافر کو کوئی آن کا مہماں پایا
پاس سے جھک کے جو دیکھا تو یہ نقشا دیکھا
صاف نکلا ہوا سینے سے کلیجا دیکھا

حال یہ دیکھ کے مطلق نہ رہی ہوش بجا گر پڑے ہائے پسر کہہ کے امام دوسرا
رو کے چلائے کہ باپ آیا ہے چونکو بیٹا کھول کر خوں بھری آنکھوں کو یہ اکبرؑ نے کہا
منہ میں ٹپکائیے گر آئے میسر پانی
دل بھنکا جاتا ہے اے مالک کوثر پانی

منہ پہ منہ رکھ کے کہا شہ نے بچشم خونبار علی اکبرؑ میں تری تشنہ دہانی کے نثار
نہر کے گھاٹ کو روکے ہوئے ہیں ظلم شعار ایک قطرہ بھی ہے مظلوم کو ملنا دشوار
کیا کروں میں کہ ہے برگشتہ زمانا بیٹا
جا کے کوثر ہی سے اب پیاس بجھانا بیٹا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

در حال ہمصورت پیغمبر حضرت علی اکبر علیہ السلام

(مطلع)

حضرت سے جب ادر خوشخو جدا ہوا

(۱۱۳ بند)

حضرت سے جب برادر خوشخو جدا ہوا تنہا ہوے کہ زینت پہلو جدا ہوا
جو گھر کی روشنی تھا وہ مہ رُو جدا ہوا جس سے قوی تھے ہاتھ وہ بازو جدا ہوا
تیغ خزاں چلی شہ مرداں کے باغ میں
ٹوٹی کمر حسینؑ کی بھائی کے داغ میں

دشمن کو بھی نہ بھائی کا ماتم خدا دکھائے پوچھو اُسی کے دل سے کمر جس کی ٹوٹ جائے
فرماتے تھے پسر سے یہ رو کر کہ ہائے ہائے اکبر بتاؤ بھائی کو بھائی کہاں سے لائے
عباس کیا جدا ہوئے گھر میرا لُٹ گیا
بچپن کا ساتھ ہائے غضب آج چھُٹ گیا

اعدا میں شور تھا کہ اکیلے ہوئے امام وہ مر گیا کہ جس سے لرزتے تھے روم و شام
تھا لشکروں کو خوف علمدار نیک نام بیکس ہوئے حسینؑ لڑائی ہوئی تمام
کیا ہو سکے گا اب شہ گردوں اساس سے
اک نوجوان پسر ہے وہ مرتا ہے پیاس سے

غصے سے کانپتے تھے علی اکبرِ دلیر — فوجوں کو دیکھتے تھے غضب میں مثالِ شیر
کہتے تھے ہائے موت نے کیوں کی ہے اتنی دیر — ہم تو خدا کی راہ میں ہیں زندگی سے سیر
اکبرؑ بھی جلد قافلہ والوں سے جا ملے
مشکل ہے دیکھیے ہمیں کیونکر رضا ملے

دیکھا امامِ دیں نے کہ ہے غیظ میں پسر — تیغِ علی کو ٹیک کے اُٹھے بچشمِ تر
فرمایا دیکھتے ہو لعینوں کا شور و شر — ہے شادیِ شہادتِ عباسؑ نامور
اعدا کی ہے خوشی ہمیں جتنا ملال ہو!
تم غیظ میں نہ آؤ کہ صابر کے لال ہو!

قدموں پہ سر کو رکھ کے یہ بولا وہ مہ جبیں — کب تک غلام صبر کرے یا امامِ دیں
ہم کو سنا سنا کے یہ کہتے ہیں اہلِ کیں — اب فاطمہؑ کے لال کا یاور کوئی نہیں
پیارے جو ہوں وہ جان کو کھوتے نہیں ہیں کیا
ہم شیرِ کردگار کے پوتے نہیں ہیں کیا

اچھا کہیں جو کہتے ہیں بڑھ بڑھ کے بدخصال — پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
باندھیں گے جب کمر تو کھلے گا ہمارا حال — لشکر کے سرکشوں کو کیا کس نے پائمال
میداں سے روم و رے کے دلاور کہاں گئے
لاشے کہاں تڑپتے رہے سر کہاں گئے

ہم حق پہ ہیں تو پھر ہمیں مرنے سے کیا ہراس — فاقہ نہ ہم پہ شاق نہ سولہ پہر کی پیاس
صابر ہیں بندگانِ شہنشاہِ حق شناس — لب تشنہ جائیں گے یونہی کوثر پہ جد کے پاس
پیاسے جہاں سے آپ کے آگے سفر کریں
دریا خود آئے گر تو زباں کو نہ تر کریں

پانی سے کیا انھیں جنھیں ہو آبرو کا دھیان — ہم اور سوالِ آب کرینگے خدا کی شان
گر لاکھ بار پیاس سے آئے لبوں پہ جان — ہونٹوں پہ بھی پھرائیں نہ سوکھی ہوئی زبان
ابرِ عطا و فیض ہیں دریا نوال ہیں!
کوثر کو جو لٹائے گا ہم اُس کے لال ہیں!

دیکھا حسینؑ نے کہ رُکے گا نہ دلربا — رو کر کہا کہ باپ سے پہلے مرو گے کیا
کی عرض دمبدم یہی خالق سے ہے دعا — فرمایا لاؤ اپنی پھوپھی جان سے رضا
میں خوب جانتا ہوں کہ جینے سے سیر ہو
جلدی مگر کہ میرے نہ مرنے میں دیر ہو

خیمے میں آئے اکبرِ مہرو جھکائے سر — لپٹا لیا کلیجے سے زینبؑ نے دوڑ کر
رو کر کہا کہو مرے بھائی کی کچھ خبر — اکبرؑ نے عرض کی تن تنہا ہیں اب پدر
رونے کی جا ہے قبلۂ کعبہ کے حال پر
سب فوج کی چڑھائی ہے زہراؑ کے لال پر

یہ تین دن کی پیاس یہ دھوپ اور یہ زوال — نیلے ہیں ہونٹ زرد ہے رُخ ضعف ہے کمال
تیغوں پہ تیغیں سامنے ہیں ڈھال پہ ہے ڈھال — چلّے چڑھا رہے ہیں کمانوں پہ بدخصال
اتنا کوئی نہیں ہے کہ سینہ سپر کرے
تیروں کی اب مہم ہے خدا اس کو سر کرے

یہ سُنکے پیٹنے لگیں زینبؑ جگر فگار — رانڈوں میں واحسینؑ کی ہر سو ہوئی پکار
بولیں پسر سے بڑھ کے یہ بانوئے نامدار — تم رن سے ایسے وقت میں کیوں آئے میں نثار
ماں کے لیے رنڈاپے کا پیغام لائے ہو
کس نے طلب کیا تھا جو گھبرا کے آئے ہو

میں مرگئی تھی کیا جو چلے آئے بے حواس چھوڑ آئے کس کو تیغوں میں سبط نبیؐ کے پاس
ہے ہے یہ دکھ یہ رنج یہ صدمہ یہ بھوک پیاس کیا کہتے ہوں گے دل میں شہنشاہ حق شناس
کس کی مدد امام دو عالم نے کی نہیں
سچ ہے مصیبتوں میں کسی کا کوئی نہیں

کیا لہو سفید ہے دنیا کا ہائے ہائے بیٹا جوان باپ کو آفت میں چھوڑ آئے
یوں ناز اُٹھا اُٹھا کے جو پالے وہ تیر کھائے سیّد تری مدد کو یہ لونڈی کسے بلائے
کیا وقت ہے نثار شہ مشرقین کے
کاٹے مرا گلا کوئی بدلے حسینؑ کے

بتلاؤ پاس سب ہیں رفیقان پُر جگر بھائی سے دور تو نہیں عباسؑ نامور
قاسمؑ کئے ہیں سینے کو تلواروں میں سپر زینبؑ کے دونوں چاند ہیں پہلو میں جلوہ گر
تم گھر میں آئے گر تو مجھے کچھ گلا نہیں
تنہا تو نور چشم رسولِؐ خدا نہیں

بچے نہیں جوان ہو بہادر ہو میں نثار بھولو پھوپھی کو دل سے اُٹھاؤ ہمارا پیار
یہ معرکہ یہ جنگ ہے دنیا میں یادگار یہ موت زندگی ہے عبادت یہ کارزار
جینا ہے تب جو فاطمہؑ کا مہ لقا جیئے
اچھا پدر کو کھو کے جیئے گر تو کیا جیئے

کہتی ہوں صاف میں کہ نہ بھائے مجھے یہ طور میں منہ نہ دیکھتی کبھی ہوتا جو کوئی اور
عاقل وہ ہے مآل کی جانب کرے جو غور مضطر نہ ہو ہزار ستم ہوں ہزار جور
مر جاتے ہیں وغا میں صفیں توڑ توڑ کے
کب گھر میں مرد آتے ہیں میداں کو چھوڑ کے

گھر کیسا ماں کہاں کی تمھیں کیا کسی سے کام
نیزوں میں باپ گھر میں جگر بند تشنہ کام
اچھا خدا نہ کردہ جو زخمی ہوئے امام
پھر آبرو رہے گی مری اور تمھارا نام
ماں ہو گئے ہیں کہوں تمھیں کیونکر نہ دھیان ہو
جاؤ سدھارو نام خدا اب جوان ہو

یہ کہہ کے منہ کو ڈھانپ کے روئی وہ نوحہ گر
اکبر نے کی پھوپھی کی طرف یاس سے نظر
کہنے لگیں یہ حضرت زینبؑ جھکا کے سر
حق ہے یہ سب جو کہتی ہیں بانوئے نامور
گھر لٹ رہا ہے کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
واری مجھے تو ہوش نہیں بے حواس ہوں

بن آئے تم سے جو وہ کرو اے پھوپھی کی جاں
حافظ علیؑ خدا و پیمبر نگاہباں
آنسو بہا کے آنکھوں سے بولا وہ نوجواں
میرا ہی سب قصور ہے والدہ کو دھیاں
جو خود لہو گرائے پسینے پہ باپ کے
وہ تیر لگتے دیکھے گا سینے پہ باپ کے

عمو سے پہلے تھی مجھے مرنے کی آرزو
جارا ہی کیا رضا جو نہ دیں شاہ نیکخو
سو سو طرح سے کی دُرِ مطلب کی جستجو
کھوتا ہے کوئی دیدہ و دانستہ آبرو
بیٹا اور سر نہ شہ کے قدم پر فدا کروں
لکھی ہو بخت میں جو ندامت تو کیا کروں

جب میں گرا قدم پہ کہا ماں سے اذن لاؤ
جوڑے جو ہاتھ بولے کہ زینبؑ سے پوچھ آؤ
رن کی طرف اٹھا تو یہ فرمایا گھر میں جاؤ
مالک ہیں اور لوگ ابھی برچھیاں نہ کھاؤ
میں کس طرح کہوں کہ سدھارو سوار ہو
دونوں خوشی سے دیں جو رضا تب نثار ہو

اب کی خدا کے فضل سے قسمت نے یاوری دیکھیں حضور گود کے پالے کی صفدری
رگ رگ میں ہے لہو کے عوض زورِ حیدری ہم سا بھی دوسرا کوئی دنیا میں ہے جری
اس کو ہراس کیا ہے جو شیروں کا شیر ہو
بخشیں نہ آپ دودھ جو مرنے میں دیر ہو

تسلیم کو جھکا جو یہ کہہ کر وہ سیمبر بنتِ علیؑ زمیں پہ گری تھام کے جگر
ماں کو یقیں ہوا کہ چلا اب جواں پسر پھیلا کے دونوں ہاتھ پکاری وہ نوحہ گر
اتنا تو منہ سے کہدو کہ رن سے کب آؤ گے
واری مرے گلے سے نہ کیا مل کے جاؤ گے

قدموں پہ ماں کے جھک گیا بڑھ کر وہ نونہال رخ کی بلائیں لیکے یہ بولی وہ خوشخصال
کیا کچھ خفا ہو تم مری باتوں سے میرے لال اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال
صدقہ یہ آپ کا ہے کہ عالی مقام ہوں
خادم ہوں جاں نثار ہوں ادنیٰ غلام ہوں

یوں ہے پسر کے واسطے ماں باپ کا عتاب جیسے ثمر پہ تابِ جہانتاب آفتاب
احساں کیا غلام پہ اے آسماں جناب کیجے دعا کہ اب ہوں شہادت کامیاب
ہیں آپ صابرہ غم و اندوہ و یاس میں
اب دودھ بخشیئے کہ افاقہ ہو پیاس میں

ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ سوگوار میں صدقے تم پہ اور مرے ماں باپ بھی نثار
کیا دودھ ایسی چیز ہے بخشا ہزار بار ماں کو دعائیں دے کے یہ بولا وہ ذی وقار
اب دل سے دور رنج و غم و درد ہو گیا
تر ہو گئی زبان جگر سرد ہو گیا

باندھے کمر جو خیمے سے نکلا وہ گلبدن — دیکھا کہ قبلہ رو ہیں شہنشاہ بے وطن
عمامہ دست پاک پہ ہے لب پہ یہ سخن — اکبرؑ کو بہرہ یاب کر اے ربّ ذوالمنن
بیٹے کے ساتھ نکلے نہ ماں اضطراب میں
یارب خلل نہ ہو کہیں کار ثواب میں

اٹھارہ سال کی یہ ریاضت ہے گلعذار — پالا جو ہے دکھوں سے پھوپھی اس پہ ہے نثار
ماں آتمہ کی آنچ سے ہووے گی بیقرار — تو صبر کر عطا انہیں اے میرے کردگار
فرقت ہے اس کی تلخ جو فرزند اہل ہو
ہاں تو مدد کرے تو یہ مشکل بھی سہل ہو

سب مشکلوں میں تو نے سدا کی مری مدد — آساں اس امر صعب کو بھی کر دے یا احد
اکثر جہان میں ترے بندے ہیں لاولد — مجھ پر تو وہ کرم ہے کہ جس کی نہیں ہے حد
نانا نبیؐ ہے باپ علیؑ ماں بتولؑ ہے
بیٹا بھی وہ دیا جو شبیہ رسولؐ ہے

ہو جائے بہر شکر جو ہر موئے تن زباں — شمّہ نہ ہو سکے ترے اوصاف کا بیاں
اے خالق زمین و زماں ربّ انس و جاں — لاتا ہے نذر بندۂ مسکین و ناتواں
دیتا ہوں واسطہ میں جناب امیرؑ کا
مقبول بارگاہ ہو ہدیہ فقیر کا

بعد اس دعا کے چپ جو ہوئے شاہ نامدار — حضرت کے پاس جا کے یہ بولا وہ گلعذار
لایا غلام رخصت میدان کارزار — فرمایا صاف ہوتا ہے چہرے سے آشکار
مشکل ہے سہل جس کو بھروسا خدا کا ہے
اے مہ لقا اثر یہ ہماری دعا کا ہے

طے ہو گیا وہ امر کہ جس کا یقیں نہ تھا مجمل تو کچھ کھُو گئیں کیونکر ملی رضا
کی عرض سُن کے بیکسی شاہ کربلا اَمّاں نے اور پھوپھی نے تڑپ کر یہی کہا
چلتے ہیں تیر بستۂ عالم پناہ پر
دوڑو سپر ہو فاطمۂ زہرا کے ماہ پر

بنتِ علی یہ کہتی تھیں مجھ سے بصد قلق کام آؤ شہ کے ہے یہ مرے پالنے کا حق
تھا فرطِ غم سے والدہ کا صبا کا رنگ فق ایسا گلہ کیا کہ ہوا میں عرق عرق
بیخود وہ تھیں غمِ شہ عالی جناب میں
خود مجھ کو دودھ بخش دیا اضطراب میں

آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ نیک ذات حقا کہ ہیں وہ بی بیاں ایسی ہی خوش صفات
دنیا میں یوں لٹائے کوئی ایسی کائنات ان کی محبتیں میں نہ بھولوں گا تا حیات
کیونکر نہ ہو کہ دونوں میں خو ہے بتولؑ کی
بیٹی ہے ایک ایک بہو ہے بتولؑ کی

یہ کہہ کے دونوں ہاتھ بڑھائے سوئے پسر اکبرؑ نے جھک کے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
بازو پکڑ کے کہنے لگے شاہ بحر و بر بیٹا ملو گلے سے کہ بیتاب ہے جگر
اے نورِ عین ہجر ترا مجھ پہ شاق ہے
تیرا سفر رسولؐ خدا کا فراق ہے

لپٹا پدر سے اُٹھ کے وہ آغوش کا پلا بیٹے کو پیار کرنے لگے شاہ کربلا
سوکھے لبوں پہ رکھدیے لب مُنہ سے مُنہ ملا چوما کبھی دہن کبھی ماتھا کبھی گلا
نکہت جو سر بسر تھی رسولؐ کریم کی
بو سونگھتے تھے گیسوئے عنبر شمیم کی

فرماتے تھے فدا ترے اے گلبدن جواں — میرے حسین جواں مرے گل پیرہن جواں
صفدر جواں شکیل جواں تیغ زن جواں — پیاسے مرے جواں مرے شیریں سخن جواں
عالم میں اس طرح کے بھی خوش رو نہیں ہوئے
فاقوں کی تلخیوں میں ترش رو نہیں ہوئے

اے ثانی رسولؐ فلک جاہ الفراق — اے شیر بیشۂ اسد اللہ الفراق
اے شہ سوار عرصۂ جنگاہ الفراق — درپیش ہے ہمیں بھی یہی راہ الفراق
سیر بہشت و خلد مبارک ہو آپ کو
کوثر پہ یاد کیجیو مظلوم باپ کو

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شہزادۂ زماں — آنکھوں میں پھر گیا شب معراج کا سماں
قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں — اللہ رے رعب حق کہ اٹھا شور الاماں
بڑھتے ہی راہ گلشن فردوس مل گئی
رن کی زمیں سمند کی ٹاپوں سے ہل گئی

وہ شان وہ شکوہ وہ اقبال وہ جلال — گویا پئے جہاد چلے شیر ذوالجلال
گرمی سے تھا جو چاند سے چہرے کا رنگ لال — خورشید کو نہ آنکھ ملانے کی تھی مجال
غصے کی وہ نظر کہ خدا کا عتاب تھا
انساں تو کیا ہزبر کا زہرہ بھی آب تھا

قامت کے آگے پست ہے سرو روان باغ — رخسار ہیں شگفتہ گل ارغوان باغ
خوشبو سے بس گیا تھا بیاباں بسان باغ — سبزے میں پھول ہوتے ہیں اکثر میان باغ
کیا خوشنما ہے خط رخ جان بتول پر
دیکھو نئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

غنچے ہزار ہوں تو نثار دہان تنگ — نازک لبوں میں سب ہے لب مصطفےٰ کا ڈھنگ
یاقوت کیا ہے سامنے ان کے ہے وہ بھی دنگ — دل خوں ہوا اگر نہ ملا لعل کو یہ رنگ
وہ کون سا نگیں ہے جو شیریں مقال ہے
ہاں اس کا جوہری ہے تو زہراؑ کا لال ہے

دشمن ہوئی جو امت نا اہل و بے وفا — زخمی ہوئے وہ لب یہ جفا پر ہوئی جفا
دندان صاف گوہر دندان مصطفےٰ — نے برق میں یہ شرق نہ موتی میں یہ صفا
گیسو ہلے ہوا سے تو جنگل مہک گئے
جب ہنس کے بات کی تو ستارے چمک گئے

وہ شہسوار اور وہ سمند فلک نورد — پائی کبھی صبا نے نہ جس کے قدم کی گرد
بازار برق گرم روانی سے اس کی سرد — یوں چال میں پری تو چھلاوہ دم نبرد
اس کی شتاب روی سے خجالت سحاب کو
دریا پہ جائے اور نہ خبر ہو حباب کو

نیزے کو گاڑ کر جو رجز خواں ہوئے جناب — یاد آگئی ہر اک کو صدائے ابوترابؑ
فق تھا کسی کا رنگ تو زہرہ کسی کا آب — ہٹنے لگیں صفیں یہ ہوا سب کو اضطراب
گھبرا کے دور فوج کے نامی جواں گئے
جو مورچے یہاں تھے سرک کر وہاں گئے

تنہا پہ دو طرف سے چلے تیر ایک بار — لی میان سے دلیر نے شمشیر ایک بار
چمکی وہ تیغ کیا کہ ہوئی آسماں کے پار — اُترا گئی صفوں کے اُدھر اُڑ کے راہوار
پہونچے تھے سُم ابھی نہ برابر زمین پر
گھوڑوں پہ تن سواروں کے تھے سر زمین پر

پھر تو جمی صفوں کی صفائی تھی ہر طرف وہ شیر ہر جگہ تھا لڑائی تھی ہر طرف
تلوار سے سروں کی جدائی تھی ہر طرف مثلِ ہوا فرس کی رسائی تھی ہر طرف
سر کس جگہ نہ گرتے تھے کاوا کہاں نہ تھا
بجلی کہاں نہ تھی وہ چھلاوا کہاں نہ تھا

موت آئی اُس پرے کی جہاں ناگہاں گئی زخمی کیا فنا کیا مارا جہاں گئی
توڑا یہ مورچہ وہ صف اُلٹی وہاں گئی حیرت تھی فوج کو کدھر آئی کہاں گئی
راکب کی شکل سامنے تھی راہوار کی
غل تھا یہ ران باگ ہے دُلدل سوار کی

اللہ ری ضرب تیغ صفاہانی جری سر اُڑ گئے تنوں سے چلی جب وہ سرسری
خالی کئے پرے پہ نہ خوں میں کبھی بھری دعویٰ یہ تھا کہ ہے مرے حصے میں صفدری
گو خوں سے لالہ رنگ یہ دشتِ مصاف ہے
جو چاہے دیکھ لے مرا مُنھ پاک صاف ہے

فوجوں کو دے جواب وہ تیزی زبان میں ترکش میں چھوڑے تیر نہ چلّے کمان میں
پانی وہ تھا کہ آگ لگا دی جہان میں نازل ہوا تھا آیۂ برق اس کی شان میں
بے فتح پھیرتی تھی نہ مُنھ کارزار سے
دعوائے ہمسری تھا اُسے ذوالفقار سے

جوہر وہی برش کا وہی طور خم وہی تیزی وہی غضب کی وہی گھاٹ دم وہی
چلنا اسی طرح کا چمک دمبدم وہی رنگت زمردی وہی پانی میں سم وہی
بے مثل آبرو میں اصالت میں تیغ تھی
مل جاتیں دو زبانیں بھی اس کو تو ایک تھی

پڑتا تھا پیلہ جو جھپک کر ادھر اُدھر
چل جاتے تھے کلیجوں پہ خنجر ادھر اُدھر
کٹ کٹ کے تنوں سے گر رہے تھے سر ادھر اُدھر
زخمی تڑپ رہے تھے برابر ادھر اُدھر
رُکتا نہ تھا سمند کہیں اونچ نیچ میں
ندی لہو کی بہتی تھی لشکر کے بیچ میں

آفت کا معرکہ تھا قیامت کی جنگ تھی
کوسوں لہو سے رن کی زمیں لالہ رنگ تھی
اللہ ری برق وشی کہ بجلی بھی دنگ تھی
چمکی کسی سوار پہ جب زیرِ تنگ تھی
جو کھینچتے ہیں سر وہی پامال رہتے ہیں
نامِ آوروں کی تیغوں کے منہ لال رہتے ہیں

کاسے سروں کے ٹھوکریں کھاتے تھے جا بجا
ٹوٹے کمانوں کے نظر آتے تھے جا بجا
گوشوں میں گورِ خود کو چھپاتے تھے جا بجا
لیکن سروں پہ تیغ کو پاتے تھے جا بجا
بھاگیں نہ کس طرح قدر انداز سہم کے
واں تیر کیا کہ جلتے تھے پر مرغِ وہم کے

بے رُخ کمانیں تیروں سے چلّے کماں سے دور
مرغانِ تیر سہمے ہوئے آشیاں سے دور
برچھی سے پھل گرے ہوئے نیزے سناں سے دور
پیروں سے عقل دُور تہوّر جواں سے دور
رایت جھکے ہوئے تھے صفیں پائمال تھیں
کاندھوں پہ رہ سپاہیوں کے ڈھالیں نڈھال تھیں

بھاگے تھے خود اپنی بلا سر پہ ٹال کے
بھالے چھپے تھے امن کی جا دیکھ بھال کے
تلواریں منہ چھپاتی تھیں اِن میں ڈھال کے
زرہیں تھیں یا کھلے ہوئے حلقے تھے جال کے
چار آئینے پڑے تھے زمیں پر کٹے ہوئے
لٹکے تھے جوشنوں کے گریباں پھٹے ہوئے

کس کے لیے وغا میں وہ تلوار سم نہ تھی آتے ہی کاٹ جانے میں افعی سے کم نہ تھی
کس کی سپر سمیت کلائی قلم نہ تھی منہ پر کسی جواں کے سلامت جھلم نہ تھی
فوجوں کا جائزہ تھا کہ دشت مصاف تھا
چہروں کے کاٹ دینے میں کیا ہاتھ صاف تھا

اکبر نے رن میں کاٹ دیئے خود سروں کے ہاتھ تھرا رہے تھے خوف سے نام آوروں کے ہاتھ
فرماتے تھے اڑا کے برابر پروں کے ہاتھ چلتے ہیں کارزار میں یوں صفدروں کے ہاتھ
پیراک مانتے نہیں دریا کے شور کو
دیکھا مرے تھکے ہوئے ہاتھوں کے زور کو

میں جاں بلب ہی ہوں جو مرتا تھا پیاس سے دیکھو لڑا ہوں لاکھوں نہیں کس حواس سے
کیوں دور بھاگے جاتے ہو شیروں کے پاس سے مارو گے کہ مرتے ہو تم خوف و ہراس سے
کیوں ہونٹ خشک ہو گئے کیا تشنہ کام ہو
تلواروں سے مرو کہ جوانوں میں نام ہو

برہم اسد ہوں بحر وغا میں نہنگ ہوں حیدر تھے شیر حق تو میں ضرغام جنگ ہوں
مشتاق زخم نیزہ و تیغ و خدنگ ہوں بھاگے ہو چار گام کہ یہ باندھے ہیں ونگ ہوں
میں دق ہوں اور تمھیں نہ ہزیمت بری لگے
دل کھول کر لڑو کہ لڑائی میں جی لگے

کچھ تیغ سے بھی تیز تھے سیف زباں کے وار کٹ کٹ کے سر جھکاتے تھے لشکر کے نامدار
گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے تھے بار بار کیا تاب تھی کرے جو کوئی مڑ کے آنکھ چار
زہرے تھے آب غیظ خوشا اس جناب کو
گھورا ہے شپرک نے کبھی آفتاب کو

وہ تھے مبارزانِ رسا روم و مصر و شام غل تھا کہ آج مٹ گئے نام آوروں کے نام
بجلی سی کوندتی تھی ادھر اور ادھر حسام یہ گر کے مر گیا تو وہ پس کر ہوا تمام
وہ بھی قریبِ مرگ تھے جو دور دور تھے
کاسے سروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے چور تھے

جب صف پہ نیزہ باز کی اڑ کر گیا سمند جی سن سے ہو گئے کہ یہ گھوڑا ہے یا پرند
سر یوں اڑے کہ ہو گئے رستے ادھر کے بند ہر دم تھی تیغ عقدہ کشا کی برش دو چند
نیزے ستم کے چار طرف تل کے رہ گئے
باندھے تھے جتنے بند وہ سب کھل کے رہ گئے

ٹکڑے تھیں سپریں تو نشاں سب تھے سرنگوں ثابت الف نہ تیروں کے تھے نے کماں کے نون
بہتا لہو کی آئی یہ برسا زمیں پہ خون چلاتے تھے زمیں پہ تڑپ کر سیہ دروں
تھرّاتے ہیں پہاڑوں کے دل اس کی کاٹ سے
ندّی چڑھی ہوئی ہے سرک جاؤ گھاٹ سے

خالی کئے دلیروں نے جنگل بھرے ہوئے لہرا رہے تھے خون سے جل تھل بھرے ہوئے
سر یوں گرے ادھر تھے جدھر دل بھرے ہوئے جیسے کبھی برستے ہیں بادل بھرے ہوئے
اس زور شور سے کوئی لڑتا نہیں کبھی
یوں دونگڑا اساڑھ میں پڑتا نہیں کبھی

چھائی ہوئی تھی ڈھالوں کی ہر سو گھٹا سیاہ بجلی چمک رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
چھپنے کی نے جگہ نہ کہیں بھاگنے کی راہ ندّی چڑھی تھی فوج کا بیڑا تھا سب تباہ
جو گھاٹ پر تھا خون میں وہ شور بور تھا
سارا یہ تیغ تیز کے پانی کا شور تھا

چلا رہا تھا یوں پسرِ سعد کینہ جو — کس سے کہوں بہائے جو اس شبیر کا لہو
جاتا ہے تین روز کا پیاسا کنارِ جو — جانوں کے ساتھ آج گئی سب کی آبرو
گھیرو کرن میں نیزوں کی اس آفتاب کو
کیوں خاک میں ملاتے ہو موتی کی آب کو

نام آوروں کو چاہیئے عزت کا اب خیال — کردو ریاضِ فاطمہ زہراؑ کو پائمال
حاضر ہے خلعت و زر و جاگیر و اسپ و مال — خون اس کا جو بہائے وہ بھر لے طلا سے تھال
باقی مجاہدوں میں یہی نورِ عین ہے
خنجر ہے پھر تو اور گلوئے حسینؑ ہے

نکلا یہ سن کے غیظ میں اک پہلوانِ روم — گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگِ پُر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم — لنگر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کے جام — تھرّائے سارے خوف سے کاندھے پہ رہ حُسام
موذی سیاہ بخت سیہ دل سیاہ فام — کھاتا تھا لاکھ بل جو کوئی لے علیؑ کا نام
کُندہ سقر کے قعر کا پُتلا گُناہ کا
دشمن تھا خاندانِ رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گُرزِ گاؤ سر — پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ بر میں بد گہر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر — مُنھ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
دستانے دونوں دستِ تعدّی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

اکبر بھی مسکرائے ستمگر کو دیکھ کر — فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور
ہمت پکاری اے اسد حق کے شیر نر — یہ نابکار آئے تو جاتا ہے اب کدھر
جوشن سمیت کیجیے دو اک حسام میں
لائی ہے موت دیو کو لوہے کے دام میں

پڑھتا ہوا رجز جو بڑھا وہ ستم شعار — چلنے لگے ادھر سے بھی تیغ زباں کے وار
بھولا کلام زور و تعلّی وہ نابکار — لب کیا ہلے کہ چل گئی حیدر کی ذوالفقار
گویا ہوں یہ تو کس کو مجال سخن ملے
مُنھ پھر گیا جواب وہ دنداں شکن ملے

فرمایا ہم سے مکر کی باتیں خدا کی شان — نیزے سے چھید لیتے ہیں کذاب کی زبان
روباہ اور شیر کے بچوں کا امتحان — کیا تاب کیا مجال ہے اور کیا کسی کی جان
بے تیغ اگر بڑھیں تو ابھی تو ہلاک ہو
ٹپکیں کمر پہ پڑ کے تو پیوندِ خاک ہو

ہم سے ہیں سب جہاں کے زبردست زیردست — جو سربلند تھے انھیں ہم نے کیا ہے پست
عمر ابن عبدوُد سے دلاور کو دی شکست — ہے دیکھنے کا یہ تن و توش و شکم پرست
بالا کو پست پست کو بالا نہ جانیو
تلواریں کھانا مُنھ کا نوالا نہ جانیو

لادا ہے تونے جسم پہ کیوں بوجھ اس قدر — آہن ہے انچا تیغ کے آگے خیار تر
ظالم تجھے خرابی خیبر کی ہے خبر — مرحب کو کس نے بھیج دیا جانب سقر
کیا جانے جس کو شیروں سے پالا پڑا نہ ہو
لوہا ہے نرم موم سے جب دل کڑا نہ ہو

ان جودتوں سے ہو گیا ظالم کا ذہن کند — بھاری سبق تھا بھول گیا سب نشست و خند
بڑھ کر جو دل بڑھانے لگے افسرانِ جُند — آیا اُڑا کے رخش کو وہ مثلِ بادِ تند
برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
اکبر ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے

نیزے ہلے وہ چل گئیں چوٹیں کہ الاماں — ہر طعن قہر کی تھی قیامت کی ہر تکاں
چنگاریاں اڑیں جو سناں سے لڑی سناں — دو اژدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زباں
پھیلے تھے سر پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

ان کی طرف خدا تھا اُدھر لشکرِ غنیم — سردارِ شام سب تھے میانِ امید و بیم
وہ کفر میں قوی یہ رہِ حق میں مُستقیم — دونوں طرف سے تھی کشش و کوشش عظیم
ہانپے تھے دو بطے ہوئے گھوڑوں کی گشت سے
خاک آسماں پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے

ان کا نہ ایک وار نہ اُس کے ہزار بند — بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
گویا نیزہ بازی میں تھا بار بار بند — چوٹوں سے نیل گوں تھے جفا جو کے چار بند
خالی گئی نہ فرق کی نے دستِ و پا کی چوٹ
کُھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکل کُشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سناں — گھوڑا اڑا کے ہاتھ کو اکبر نے دی تکاں
اللہ رے زور اُٹھ گیا گھوڑے سے پہلواں — دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہاں
نیزے کے ساتھ شور اُٹھا اُس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

نیزہ اڑا چکا تو پکارا وہ شہ سوار — دیکھا ہماری ضرب کو کیوں او ستم شعار
حربوں سے دور کے ہے دلیروں کو ننگ و عار — جوہر کھلیں جو تیغ سے دم بھر ہو کارزار
کمزور کو خدا نے زبردست کر دیا
یہ تیری سرکشی نے تجھے پست کر دیا

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ — بدلا تھا اس نے ٹھاٹھ کہ چمکی ادھر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ — چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ
مضطر تھا اپنی زیست سے دشمن کو یاس تھی
جب ہاتھ اٹھ گیا یہ کلائی کے پاس تھی

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال — شانے میں آئی سینے پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بچا کے کاٹ گئی وہ زرہ کے جال — چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بدخصال
رو کے کسے جواب دے کدھر پھرے
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

شمشیر تیز دست سے جو آئی جھپک گیا — ضربت بھی کی تو ہاتھ شقی کا بہک گیا
جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا — شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا
ناری ہے نورِ حق سے کہاں بچ کے جائے گا
اک دم میں تیغِ تیز کا پانی بجھائے گا

دونوں طرف وغا میں بڑی جد و کد ہوئی — پر ڈھال بہرِ تیغ سکندر کی سد ہوئی
تائید کی خدا نے علیؑ کی مدد ہوئی — جو اس نے ضرب کی وہ سرِ دست رد ہوئی
گرمی میں ابر بن گئے تھے وہ جو برق تھے
اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

کرتا تھا ہاتھ اپنی صفائی کو آشکار تیغ اپنے جوہروں کو دکھاتی تھی بار بار
جنگ آزمودہ آتش سوزندہ آبدار آفت کا منہ غضب کی روانی ستم کی دھار
جس دن سے اُتری سان سے رن پر چڑھی رہی
اکبرؑ سے بھی وغا میں کچھ آگے بڑھی رہی

آخر دکھا چکا وہ شقی اپنا سب کمال پرشہ کے زلفوں والے کا بیکا ہوا نہ بال
تلوار کو اٹھا کے پکارا علیؑ کا لال ہاں اب ہماری ضرب کو دیکھ اور روک ڈھال
پسپا نہ ہو لعیں یہی وقتِ نبرد ہے
روک اب ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے

چمکی جو تیغ ڈھال وہ لایا سپر بسر اک برق سی گری کہ وہ پارا ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی سر گردن سے صدر پر سینے سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

قربانِ تیغ لختِ دلِ بادشاہِ دیں گزری کمر سے کاٹ کے زنجیر آہنیں
پاکھر درست تھی نہ سلامت تھا صدرِ زیں وہ ایک ضرب میں تھا مع اسلحہ لعیں
کانپا سمند پاؤں کو ریتی میں گاڑ کے
پھٹ کر گرے زمیں پہ ٹکڑے پہاڑ کے

تکبیر کی صدا سے ہلے دشت و کوہسار یاد آیا جبرئیل کو دستِ خدا کا وار
چلائے شاہِ دیں کہ میں اس ضرب کے نثار فاقے میں تین دن کے یہ حملے یہ کارزار
بجلی گری ہے تیغِ شقی پر گری نہیں
افسوس ہے کہ آج جہاں میں علیؑ نہیں

تسلیم کرکے شہ کو پکارا وہ نوجواں اب پیاس مارے ڈالتی ہے یا شہ زماں
تالو ہے خشک اینٹھ گئی ہے مری زباں جلتا ہے دل کلیجے سے اٹھتا ہے جب دھواں
دریا پہ قتل ہوتا ہوں میں قحط آب سے
ہتھیار گرم ہیں تپش آفتاب سے

ٹھنڈی ہوا کو جان ترستی ہے ہائے ہائے پانی زرہ پہ کوئی چھڑک دے تو جان آئے
کیجئے دعا کہ جلد شہادت غلام پائے اکبر بہ آبرو سوئے کوثر جہاں سے جائے
گرمی سے ہو فراغ عطش سے نجات ہو
اب موت لے خبر تو ہماری حیات ہو

یہ کہہ کے ابر شام میں ڈوبا وہ رشک ماہ یوں چمکی پھر وہ تیغ کہ اللہ کی پناہ
پایا جو بیچ میں تو سمٹ آئی سب سپاہ حربوں سے بند ہو گئی چاروں طرف سے راہ
پر کیا وہ ران باگ تھی کیا شہ سوار تھا
دابا جہاں سمند کو فوجوں کے پار تھا

شمر لعیں اس طرف کو تھا عمر کینہ جو اُدھر بڑھتا تھا گہ اِدھر کبھی وہ ماہرو اُدھر
چل کر ادھر سے جب گئے وہ تند خو اُدھر اولے ادھر گرائے تو برسا لہو اُدھر
سبزے کو اس روش سے ہوا روندتی نہیں
بجلی سیاہ ابر میں یوں کوندتی نہیں

چھائی تھی ابر شام میں گھنگھور اُدھر گھٹا یہ شیر جب اِدھر سے بڑھا زور اُدھر گھٹا
دریا کے اس طرف سے اٹھا شور اُدھر گھٹا ڈھالوں کی تھی لہو میں شرابور اُدھر گھٹا
جانیں تھیں اس کے قبضے میں سر تھا تو نذر تھا
یہ آب شعلہ تیغ کا نہ تھا وہ جوہر تھا

لڑتے تھے یہ شہ ہوتا تھا انبوہ فوج کم نیزوں کی صف ادھر تو اُدھر برچھیاں بہم
بھر وخاکمیں میں گئے بانیِ ستم جنگل تھا فوج کا کمک آتی تھی دمبدم
مارا جو پیدلوں کو سوار آکے جم گئے
سو قتل ہو گئے تو ہزار آکے جم گئے

مانند شیر جنگ میں تھی چار سو نگاہ چھپ چھپ کے بدلیوں سے نکلتے تھے مثل ماہ
لیکن اجل سے بس نہیں چلتا کسی کا آہ دیکھا جو پھر کے یوں نظر آئی عدم کی راہ
چھاتی پہ لگ کے پشت سے نیزہ گزر گیا
اُبلا لہو کہ عمر کا پیمانہ بھر گیا

نیزہ لگا کے زور سے کھینچا لعیں نے جب ٹکڑے کئے کبد کے نکل آئی ہی غضب
ہرنے پہ سر جھکا کے جو سنبھلا وہ تشنہ لب تر ہو گئی لہو سے قبا مصطفےؐ کی سب
غش آیا نبضیں چھوٹ گئیں تیور بدل گئے
حلقے رکاب کے بھی قدم سے نکل گئے

فریاد ہی کہ ٹوٹ پڑا لشکر گراں حربے تمام فوج کے اور ایک ناتواں
گرتے ہوئے فرس سے پکارا وہ نیم جاں لیجئے خبر غلام کی اے قبلۂ زماں
جلدی اٹھائیے مجھے دشت نبرد سے
اب جان نکلی جاتی ہی سینے کے درد سے

سُنتا تھا یہ کہ شہ پہ گرا آسمان غم اتنا کہا کہ آہ ہوے اب تمام ہم
دوڑے اُٹھے گرے کئی جا قبلۂ امم دیکھا کسی جگہ تو کہیں جا پڑے قدم
خالق پسر کا داغ دکھائے نہ باپ کو
آنکھوں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آپ کو

چلاتے تھے کدھر کو ہی تو اے جواں پسر عاشق پسر شفیق پسر مہرباں پسر
میرے سعید لال مرے قدرداں پسر ہونٹوں پہ دم ہی باپ کا اے نیم جاں پسر
بیٹیا نباہ باپ کا اب تیرے ہاتھ ہی
جلدی نہ کیجیو کہ یہ بیکس بھی ساتھ ہی

کس جا ستم کی سینے پہ کھا کر سناں گرے آواز پھر دو اے علی اکبرؑ کہاں گرے
کس طرح لڑکھڑا کے نہ یہ ناتواں گرے پیری میں جب یہ کوہ غم نوجواں گرے
اعدا سے اس ستم کا خدا انتقام لے
اتنا نہیں کوئی کہ مرا ہاتھ تھام لے

جنگل میں جا پہونچے لاش پہ اُس وقت شاہ دیں جب ایڑیاں رگڑ رہی تھے اکبرؑ حسین
چلائے پاس گر کے شہ بیکس و حزیں حاضر ہی باپ اے مرے فرزند مہ جبیں
بابا کو مطمئن تو کرو منھ سے بول کے
باہیں گلے میں ڈال دو آنکھوں کو کھول کے

تم نے بھی منھ کو باپ سے موڑا ہزار حیف بیکس کو اس ضعیفی میں چھوڑا ہزار حیف
پہنا نہ بر میں بیاہ کا جوڑا ہزار حیف قسمت نے تازے پھول کو توڑا ہزار حیف
بھیگی ہوئی مسوں پہ عجب آب و تاب ہے
ہے ہے ابھی تو آمد فصل شباب ہے

کیوں بھر بھرا کے کروٹیں لیتے ہو بار بار کیا ہی کہ خاک پر کسی پہلو نہیں قرار
حضرت سے دم نکلنے میں بولا وہ گلعذار برچھی کا زخم ہی مری چھاتی کے وار پار
کیا حال دل کہوں نہیں طاقت بیان کی
لو الوداع جسم سے رخصت ہی جان کی

ناگاہ رنگ زرد ہوا ہاتھ تھرتھرائے — کروٹ کبھی کر اہ کے لی گاہ مسکرائے
اٹکا جو دم سوال میں پانی کے لب ہلائے — ہنستے ہوئے گزر گئے دنیا سے ہائے ہائے
پھیلا کے ہاتھ پاؤں وہ مقتول رہ گیا
خوشبو سوئے بہشت گئی پھول رہ گیا

اللہ باپ کو نہ دکھائے غم پسر — صدمہ ہوا کہ غش ہوئے سلطان بحر و بر
اکبرؑ کے انتقال کی نوبت بجی اُدھر — نکلی ادھر سے دختر زہراؑ برہنہ سر
تھراتی تھی زمیں کوئی دل تھا نہ چین سے
سب وحش و طیر روتے تھے زینبؑ کے بین سے

زخمی تھا سر ٹپکنے سے ماتھا کھلے تھے بال — مخدومہ جہاں سے مشابہ بہت تھی چال
تن کانپتا تھا ضعف سے خورشید کی مثال — کہتے تھے شمر لعینوں سے رو کر بصد ملال
اے ظالمو ڈرو غضب کردگار سے
منھ ڈھانپ لو کہ نکلی ہیں زہراؑ مزار سے

چلاتی تھیں کہ گیسوؤں والے کدھر ہے تو — ہے ہے یہ کس کے خوں کے ہیں نالے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو — اماں کی اجڑی گود کے پالے کدھر ہے تو
چھریاں جگر پہ صدمۂ فرقت نے پھیری ہیں
سنتی ہوں میں کہ راہ میں گلیاں اکیلی ہیں

بس اے انیسؔ بس نہ سُنے تھے کبھی یہ بین! — برپا ہے بزم ماتم اکبرؑ میں شور و شین
میں ایک کیا نہیں کسی مومن کے دل کو چین — کیجیے مدد ان اپنے غلاموں کی یا حسینؑ
عشرت ہو دور عیش کا ساماں کم نہ ہو
جز ماتم حضور کوئی اور غم نہ ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

در حال حضرت عون و محمد علیہما السلام

(مطلع)

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی

(بند ۱۵۲)

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی   پردیس میں سادات پہ آفت غضب آئی
فریاد کناں روح امیر عرب آئی   غل تھا کہ شب قتل شہ تشنہ لب آئی
اک آن میں سو صدمۂ جانکاہ دکھائے
رات ایسی غم انگیز نہ اللہ دکھائے

کچھ صبح قیامت سے نہ کم تھی وہ شب غم   نکلے تھے نبیؐ قبر سے با دیدۂ پر نم
حضرت کے لیے روتی تھیں سیدانیاں باہم   بیہوش تھے بچوں کا یہ تھا پیاس سے عالم
خاک اڑتی تھی خیمہ میں امام دوسرا کے
تھا چین بہ جبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جس خیمے میں تھے جلوہ نما سید ابرار   واں جمع تھے سب خویش و پسر یاور و انصار
عباسؑ سے کہتا تھا یہ وہ کل کا مددگار   تم رہنا ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو ادھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی　　اے چاند ید اللہ کے شب دو پہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی　　دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریِ شب کا
اے تشنہ لبو وقت یہ ہے طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخر ہے شب بھی ہے آخر　　ہے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے رب دو جہاں حاضر و ناظر　　اجر اس کا مضاعف ہے جو ہے صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا ہی وردِ سفر ہو کہ حضر ہو　　جو جو سمجھے اسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدہ ہی کرے دکھ ہو کہ راحت میں بسر ہو　　تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
وصفِ گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
محبوب کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر　　دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر　　تکبیر کے نعرے ہوں زباں پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر بات میں بو الفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے　　اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زبانوں پہ نہ لائے　　سجادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

تسبیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں زاری تھا صوتِ حسن سے کوئی قرآن کا قاری
کرتا تھا کوئی عرض کہ یا حضرتِ باری اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
رحمت سے شریکِ شہدا کیجیو یا رب
تو حوصلۂ صبر عطا کیجیو یا رب

ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار مرنے کے لیے آئے ہیں یاں چھوڑ کے گھر بار
یہ بندۂ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار کر رحم کہ ہے ذات تری راحم و غفار
فاقوں کے سبب جسم کی طاقت میں کمی ہے
تجھ سے طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے

کرتے تھے مناجات ادھر یاورِ انصار پڑھتے تھے نماز شب اُدھر سیدِ ابرار
تھی نیتِ تسبیحِ بتولِ جگر افگار آوازِ بکا خیمہ سے آنے لگی اک بار
اکبر سے اشارہ کیا مڑ کر کہ یہ کیا ہے
کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

یوں تو کئی راتوں سے ہیں وہ مضطر و بیتاب راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کے اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادرِ پُرنور کہیں ہے
اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

اُن کا تو وہ احوال ہے اماں کا یہ عالم اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہیں اک دم
اصغر کی بھی ہے فکر سکینہ کا بھی ہے غم بچہ چھ مہینے کا ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اُٹھائیں اُسے یا اس کو سنبھالیں
دو روز کے فاقہ میں وہ کس کس کو سنبھالیں

رو آتی ہیں عابد کے سرہانے کبھی جا کر — گہوارۂ اصغر پہ کبھی گرتی ہیں آ کر
قرآں کی ہوا دیتی ہیں غش میں اُسے پا کر — بہلاتی ہیں بیٹی کو کبھی اشک بہا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یونہیں روؤنگی اماں
بابا ہی جب آئیں گے تو میں سوؤں گی اماں

بتلاؤ شہ حق و بشر کیوں نہیں آتے — اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے
آزردہ ہیں کچھ ہم سے ادھر کیوں نہیں آتے — کیا آج وہیں سوئیں گے گھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سُنتے
حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں سُنتے

سن کر علی اکبر نے جو کی شہ سے یہ تقریر — پڑھتے ہوئے تسبیح اُٹھے حضرت شبیر
آئی جو نظر دور سے وہ چاند سی تصویر — قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
بیتاب جو پایا بہت اُس تشنہ دہن کو
شبیر نے لپٹا لیا سینے سے بہن کو

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال — سر پر نہ عصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال — بیٹھو نہ کہ جیتا ہے ابھی فاطمہ کا لال
تن سے مرا دم گھٹ کے نکل جائے گا زینب
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینب

زینب نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے — بھائی تمھیں اللہ اس آفت سے بچائے
خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے — بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتا
میں کیا کروں دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتا

آتا ہے تباہی کا سکینہ کی مجھے دھیان ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے ویران
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے کسی آن پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان
بازو مرے کسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا چھیننے لیے جاتا ہے کوئی

منھ ڈھانپ کے بستر پہ جو گر رہتی ہوں مضطر تو چاک گریباں نظر آتے ہیں پیمبر
اماں عقب خیمہ یہ چلاتی ہیں رو کر بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینب
شبیر اسی رات کا مہمان ہے زینب

یہ کہتی تھی زینب کہ سکینہ نے پکارا سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہوں اور یہاں سوتا ہے سارا گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

حضرت نے کہا میں ہوں اس آواز کے قربان اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا سامان بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں مجبور ہوں ایسے کہ تمھیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمھیں ہم کہیں پائیں بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی

رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند کوچ آج پدر کا ہے تو کل رحلت فرزند
ہوتا ہے قلق فرقت اولاد کا ہر چند کیا زور پدر کا ہے جو کچھ حکم خداوند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی گلدستۂ اسلام میں بلبل نے فغاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغ جہاں کی تلوار چلی گلشن انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلک نیلوفری سے
پھولا گل خورشید نسیم سحری سے

گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا مرغان چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
انجم کا وہ چھپنا کبھی اور گاہ چمکنا وہ سرد ہوا اور وہ سبزہ کا لہکنا
اُس دشت میں روئی تھی جو شبنم شہ دیں پر
تھا موتیوں کا فرش زمرد کی زمیں پر

جلوہ وہ دم صبح کا وہ نور کا عالم دلچسپ صدا نوبت و شہنا کی وہ باہم
سرخی وہ شفق کی افق چرخ پہ کم کم وہ گل کے کٹوروں پہ دُرافشانی شبنم
خشکی میں بھی خنکی سے ترائی کا سماں تھا
پر مالک گلزار جناں تشنہ وہاں تھا

لشکر میں اُدھر مورچہ بندی کی ہوئی دھوم یاں فرض ادا کرنے لگے عاشق قیوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہ مظلوم صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتر مہ نو ماہ کے ہمراہ

خیمہ تھا فلک آپ قمر و بست ستارے تارے بھی وہ تاروں کو فلک جن پہ اُتارے
خم ہو گیا تھا پیر فلک شرم کے مارے کہتی تھی زمیں اوج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں روشنیِ نیّرِ دیں ہے
خود عرش کو دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زمیں ہے

جو صف تھی وہ اک سطر تھی قرآن مبیں کی دیوار تھی قبلہ کی طرف کعبۂ دیں کی
نایاب جماعت تھی وہ ارباب یقیں کی افلاک کی رونق تھی تو زینت تھی زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے یہ فوج جدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کبھی موج جدا ہو

اُس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
نے پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت یہ زہد یہ تقویٰ یہ اطاعت یہ ریاضت
مومن ہیں یہ صاحبِ اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے تھوڑے نہ ہوں کس طرح کہ شاکر ہیں یہ بندے
صادق ہیں ولی سے مرے ان سب کو ولا ہے
ان کا وہ صلا ہے جو رسولوں کو ملا ہے

پُرعیش ہے لحد میں نہ عذاب ان کے لیے ہے یہ لائق رحمت ہیں ثواب ان کے لیے ہے
موتی سے جو ہے صاف وہ آب ان کے لیے ہے جس کا ہوں میں ساقی وہ شراب ان کے لیے ہے
اب نخل ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرش کے نیچے ہیں وہ گھر ان کو ملیں گے

فارغ جو نمازِ سحری سے ہوئے دیندار — پوشاک پہننے کو اُٹھے سید ابرار
فرمانے لگے حضرتِ عباس خوش اطوار — ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

آمادۂ شر لشکرِ کفار ہے کل سے — ہونا ہے تمھیں آج ہم آغوشِ اجل سے
درپیش ہے جنگ و جدل اس فوجِ دغل سے — آقا بھی کوئی دم میں نکلتے ہیں محل سے
ہاں صف شکنو وقت ہے نصرت کی دعا کا
کھلتا ہے پھریرا علمِ فوجِ خدا کا

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق تھے کب سے — اب ہوگی ملاقات شہنشاہِ عرب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں تب سے — صف باندھ کے آؤ درِ دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمھیں خلعتِ نور آج ملیں گے

اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی — جلدی سے آنے لگے جرأت کے نازی
شیرِ صفِ جنگاہ تھا ایک ایک نمازی — نعرے تھے کہ قربانِ شہنشاہِ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلدِ بریں کا
خیمہ میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

تھے گرد حرم بیچ میں وہ عاشقِ حق تھا — مانندِ سحر رنگ ہر اک بی بی کا فق تھا
بانوئے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا — زینبؑ یہ تڑپتی تھیں کہ حضرت کو قلق تھا
شبیرؑ کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
بڑھتے تھے تو قدموں سے لپٹتی تھی سکینہؑ

فرماتے تھے شبیرؑ میں صدقے مری پیاری میداں سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کے واری ساماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہماری
در پیش لڑائی نہیں گر فوج شقی سے
کیوں آپ سفارش مری کرتے ہیں پھوپھی سے

سنتی تھی میں عابدؑ سے جو کچھ کی تھی وصیت اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
ہے ہے یہ مری عمر یہ صدمہ یہ مصیبت لے لو مجھے ہمراہ گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو میں دار محن سے
کوئی مری گردن تو نہ باندھے گا رسن سے

ناداں کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا ماتم میں کسی دل کو نہ تھا ضبط کا یارا
حضرت کو بھی فرقت تھی نہ بیٹی کی گوارا ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دم وہ چھٹی جیتے ہی جی مر گئے شبیرؑ
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبیرؑ

جب شہ در دولت پہ امیر اُمم آیا پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا کس شوکت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی لچکنے میں ضیا عرش تک اُس کی
خورشید کو پنجے میں لیے تھی چمک اُس کی

کہتے تھے یہ آپس میں رفیقان دلاور دیکھیں یہ ہما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
اکبر کے تو ہے نام پہ سالاری لشکر عباس کو دیں گے شہ دیں منصب جعفر
اُس شیر سے اک عشق ہے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

زینبؑ کے پسر مشورے یہ کرتے تھے باہم — کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائید خدا چاہیئے گو عمر میں ہیں کم — عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار تھے نانا بھی علمدار — ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار — ہیں بادشہ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں کہیں سُن کر نہ خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام — مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
یہ سر ہیں نثارِ قدم شاہ خوش انجام — عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوج خدا دیں
مشتاق اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قریب زینبؑ دلگیر — سب اُس نے مفصّل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
غصّہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر — دونوں کو اشارے سے بلا لا کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سُن لیں اُسے فرصت انہیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

یہ کہتی تھی مادر کہ خود آئے وہ نکوکار — چھوٹے سے یہ فرمانے لگی زینبؑ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے کیں اے مرے دلدار — اس وقت میں ہو کون سے عہدے کے طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ خیمہ کھڑی ہے
لٹتا ہے مرا گھر تمہیں منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار بچّے تمھیں اتنا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو میں ابھی دونوں سے ہو جاؤنگی بیزار کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر مُنھ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے عُہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں اور کسی کی
میں خوش ہوں بجا لائیں وصیت کو علیؑ کی

دو روز سے بھائی یہ مرے ظلم و ستم ہے تم ذکرِ علم میں ہو مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے ہیں قد سن بھی تمھارا ابھی کم ہے کھیل اس کو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذیجاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لیے شاہ سے کہنا

مانا کہ پہنچتا ہے تمھیں منصبِ جعفرؑ آقا کی غلامی سے ہے عُہدہ کوئی بہتر
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑیں گی گلہ گر کسی اسلوب کرو گے
عباسؑ سے تم کیا مجھے محجوب کرو گے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار یوں کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے کبھی تکرار مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں شہِ ابرار
رخصت کے لیے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ماں صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں کو خدا زور علیؑ کا

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ
اجلالِ حسنؑ شوکتِ شبیرؑ دکھاؤ
جعفرؑ کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ
تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشید امامت سے امامت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں میں حسینوں میں حسیں ہو

جعفرؑ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو
حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
جرار ہو کرار ہو صفدر ہو دلیرو
ضرغام ہو ضیغم ہو غضنفر ہو دلیرو
نیزوں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفہ کا در توڑ کے آؤ

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو
بچے اسداللہ کے ہو جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو
کوفے کو تہِ تیغ کرو شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضے میں تو قابو میں حلب کو

خاقاں کا رہے تخت نہ قیصر کا رہے تاج
ہاں غازیو چین و حبش و زنگ سے لو باج
چڑھتا ہے لڑائی پہ جواں مردوں کی معراج
گیتی تہ و بالا ہو وہ تلوار کرو آج
یوں آئیو جیسا کہ آئینہ ہنستے ہوئے بدر میں
جس طرح علیؑ بعد ظفر آتے تھے گھر میں

میلے نہ ہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں | جس کے ہیں بس اس کے ہیں جدھر ہیں بس ادھر ہیں
گہ عطر میں ڈوبے ہیں کبھی خوں میں تر ہیں | صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ تھکیں گے نہ تھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

یہ سن کے جو نکلے وہ جری خیمہ سے باہر | کس پیار سے منھ دونوں کے تکنے لگے سرور
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ یا سبط پیمبرؐ | تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی ادھر فوج ستم کو
ارشاد جب ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

شہ نے کہا عباسؑ دلاور کو بلاؤ | پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
عاشق کو مددگار کو یاور کو بلاؤ | جلدی مرے حمزہؑ مرے جعفرؑ کو بلاؤ
یہ اوج یہ رتبہ یہ حشم اس کے لیے ہے
زیب اس سے علم کی ہے علم اس کے لیے ہے

سب تکنے لگے صورت عباسؑ فلک جاہ | نازاں ہوا خود اوج پہ اپنے علم شاہ
یعنی مرا حامل ہے نشان اسد اللہ | بالیدہ تھا پرچم تو پھریرا تھا ہوا خواہ
جان آ گئی تھی سنتے ہی اس خوش خبری کو
پنجہ بھی اشارے سے بلاتا تھا جری کو

خوش ہو کے یہ عمو کو پکارے علی اکبرؑ | جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر | ارشاد کیا شہ نے علم بھائی کو دے کر
رکھیے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
اے بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباسؑ دلاور نے علم پر | تسلیم کی اور رکھدیا سر شہؑ کے قدم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر | سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہ اُمم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اُسے اعلیٰ کیا مولاؑ
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولاؑ

اس چتر فلک قدر کا سایا مرے سر پر | اس دھوپ میں ہوگا یہ پھریرا مرے سر پر
یہ ابر مرے سر پہ یہ طوبیٰ مرے سر پر | قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پر
سلطان دو عالم کی غلامی کے صلے ہیں!
سب اوج یہ نعلین اُٹھانے سے ملے ہیں

حضرتؑ نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے | حاضر ہو اگر جان بھی کام آئے تمھارے
حصہ یہ تمھارا تھا سو پہونچا تمھیں بارے | مالک ہو تمھیں ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی ترا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانب توسن | ہتھیار لگائے ہوئے پہنے ہوئے جوشن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن | اللہ ری ضیا خانۂ زیں ہو گیا روشن
وہ پاؤں رکابوں کے لیے باعثِ ضو تھے
خورشید کے قدموں کے تلے دو مہِ نو تھے

رانوں کے اشارے سے لگا کوندنے شبدیز | اسوار کے دل کا تھا ارادہ اُسے مہمیز
گرما کے جو شبیرؑ نے تازی کو کیا تیز | اعدا پہ چلا غول سواروں کا جلو ریز
ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا
اللہ کے لشکر کا نشاں تا بہ فلک تھا

کیا فیض سواری تھا کہ زرریز تھی سب راہ | طالع تھا اُدھر مہر اِدھر تھا علم شاہ
مابین دو خورشید تھی فوج شہ ذیجاہ | پنجہ پہ تجلی تھی کہ اللہ ہی اللہ
بالا تھی چمک مہر منور کی چمک پر
ضو اس کی زمیں پر تھی ضیا اس کی فلک پر

ایک ایک جواں زیور جنگی کو سنوارے | نیزوں کی چمک اور وہ سمندوں کے ترارے
جعفر کے جگر بند ید اللہ کے پیارے | رستم کو بھگا دیں جو ہوں میداں میں اُتارے
سیاف ہو مرحب سا تو شمشیر سے ماریں
ارجن سے کماندار کو اک تیر سے ماریں

کم سن کئی لڑکوں کا جدا غول تھا سب سے | سوئے بھی نہ تھے ولولۂ جنگ میں شب سے
روکے ہوئے باگوں کو شہ دیں کی ادب سے | اعدا کی طرف دیکھتے تھے چشم غضب سے
ہتھیار جو باندھے تھے وہ کیا تن پہ کھلے تھے
سب تیغچے تولے ہوئے لڑنے پہ تلے تھے

وہ چاند سے مُنھ اور وہ تاباں بدن ان کے | شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن ان کے
یوسف کی طرح عطرفشاں پیرہن ان کے | مر کر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن ان کے
تلواریں جو سو چمکیں تو کب مانتے تھے وہ
مر جانے کو ایک کھیل سدا جانتے تھے وہ

عُمریں تو کم و بیش پہ سب گیسوؤں والے | اک غول میں باہم کئی چاند اور کئی ہالے
ذی مرتبہ سیدانیوں کی گود کے پالے | غنچہ تھا وہ سب اکبر گلرو کے حوالے
سب تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے
اُس گلشن یک رنگ کے مختار یہی تھے

مقتل کو جو پُر نور کیا عسکرِ دیں نے — دیکھا طرف چرخ حقارت سے زمیں نے
اونچا نہ کیا سر فلک زہرہ جبیں نے — کی فرش پہ حسرت سے نظر عرش بریں نے
اُٹھ اُٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے — لوٹے گل خورشید نسیم سحری نے
تاروں کو اُتارا فلک نیل فری نے — پرچم جو ہلا کھول دیئے بال پری نے
عیسیٰ نے صدا دی کہ نثار اس کے حشم کے
خورشید نے منھ رکھ دیا پنجے پہ علم کے

ترتیب صف فوج کا جس دم ہوا اعلام — باندھی علی اکبرؑ نے صف لشکر اسلام
ظاہر جو ہوئی شان جوانان گل اندام — کوفے کے نشاں جھک گئے کانپی سپہ شام
اللہ ری شوکت شرفا و نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ بجا طبل بڑھا لشکر سفاک — تا چرخ گیا غلغلہ کوس شغب ناک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبد افلاک — تھرا گیا آواز دہل سے کرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتل امام مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

واں شور تھا باجوں کا ادھر نعرۂ تکبیر — ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر
ناگاہ سوئے فوج خدا آنے لگے تیر — عباسؑ علمدار نے دیکھا رُخ شبیرؑ
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم دوں آہ   ہفتاد و دو تن یاں ہیں اُدھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے کُل کے شہنشاہ   یہ شیر نیستان علی ہیں تو وہ روباہ
لاکھوں ہیں تو کیا ڈر ہے شجاعان عرب کو
اقبال سے حضرت کے بھگا دیتے ہیں سب کو

فرمایا کہ فاقے سے ہے سارا مرا لشکر   پانی نہیں ملتا کہ لب خشک کریں تر
بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مرا سر   غازی نے کہا تشنہ گرسنہ ہیں یہ صفدر
حملوں سے اُلٹ دیں گے پرے فوج عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے تو پیاسے ہیں لہو کے

حضرت نے کہا خیر لڑو فوج ستم سے   معلوم ہے سب آج جدا ہوئیں گے ہم سے
دنیا سے نہ مطلب نہ غرض جاہ و حشم سے   کٹ جائے گا اپنا بھی گلا تیغ دو دم سے
مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے
اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

جس دم یہ سنی اقربا کونین کی گفتار   جانباز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار
تھے پیاسوں کے حملے غضب ایزد غفار   چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے ہتھیار
کون آنکھ ملا سکتا ہے شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے قدم اُٹھ جاتے تھے سب کے

لڑتا تھا غضب ایک کے بعد ایک وفادار   دن چڑھتا تھا واں گرم تھا یاں موت کا بازار
سر بیچتے تھے جنس شہادت کے طلبگار   بڑھ بڑھ کے خریدار پہ گرتا تھا خریدار
ہم پہلے خریدار ہوں جاں اس پہ لڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

یحییٰؑ و بن قینؑ و حرؑ و ابن مظاہرؑ عمرانؑ و ہلالؑ بجلی عابسؑ و عامرؑ
ضرغامہؑ و سعدؑ و اسدؑ و وہبؑ مسافر ٹکڑے ہوئے تیغوں سے یہ سب شاہ کے ناصر
اُس وقت اداسی تھی عجب لشکرِ دیں پر
اک چاند تھا اور چند ستارے تھے زمیں پر

آیا جو عزیزوں کے لیے موت کا پیغام فرزندوں نے جعفرؑ کے کیے رن میں بڑے نام
اولادِ عقیلؑ آ چکی شمشیر کے جب کام لڑنے کو گئے مسلمؑ بےکس کے گل اندام
تھا حشر بپا ندیاں بہتی تھیں لہو کی
بچوں نے اُلٹ دی تھیں صفیں فوجِ عدو کی

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
مُنھ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار ہم جائیں گے بعد ان کے سوئے لشکرِ کفار
جی جائیں جو آقا ہمیں مرنے کی رضا دیں
ایسا نہ ہو قاسمؑ کو حضور اذنِ وغا دیں

کچھ اُن سے کہا چاہتے تھے سرورِ ذیشاں جو غل ہوا مارے گئے مسلمؑ کے دل و جاں
لاشے بھی ادھر آ چکے جب خون میں غلطاں پھر ہاتھوں کو جوڑا کہ ملے رخصتِ میداں
شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
اُن دونوں نے سر رکھ دیے ماموں کے قدم پر

حضرت نے کہا ماں سے بھی لے آئے ہو رخصت کیا کہتے ہو لٹواؤں میں ہمشیر کی دولت
مایہ تمھیں اُس کی ہو تمھیں اُس کی بضاعت چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت
چھوٹے نہیں ہم آپ اسے پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

بندھوائے ہیں اماں نے ہمیں آپ ہی ہتھیار
ہم نے بھی کیا ہے بخدا مرنے کا اقرار
فرما گئی تھیں ڈیوڑھی پہ خود آکے بہ تکرار
بس صدقے گئی گھر میں نہ اب آئیو زنہار
تیغوں میں چلے جاؤ یہ جوہر ہے تمھارا
تم شیر ہو میدان وغا گھر ہے تمھارا

بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
اُن دونوں کا مُنھ دیکھ کے رونے لگے شبیرؑ
فرمایا چھڑاتا ہے تمھیں بھی فلک پیر
اچھا میں رضامند ہوں جو خواہش تقدیر
وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی
فیاض کی ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

خوش ہو کے یہ کہنے لگے وہ دونوں برادر
قائم رکھے حق آپ کو ہمشیر کے سر پر
ارشاد کیا شاہ نے اشک آنکھوں میں بھر کر
پیارو میں سمجھتا ہوں اُسے ماں کے برابر
شکوہ نہ کسی دکھ میں کیا کم سخن ایسی
پائی نہیں دنیا میں کسی نے بہن ایسی

مشکل ہے کہ بھائی پہ بہن بیٹوں کو وارے
مٹی میں ملاتا ہے کوئی عرش کے تارے
دونوں نے کہا اے اسد اللہ کے پیارے
اُن کی یہ سعادت ہے تو اقبال ہمارے
ہم آپ کے صدقے سے شرف پائینگے مولاؐ
آج اختر اقبال چمک جائیں گے معلّا

یہ کہہ کے جھکے آخری مجرے کو وہ ذی جاہ
خورشید کے آگے مہ نو بن گئے دو ماہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ
دو شبر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کر سوئے جنگاہ
ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ رخصت ہو مبارک
سرتا شہنشاہ کا خلعت ہو مبارک

سلطانِ دو عالم نے مخلع کیا واری | تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولہ کی سواری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری | اور دور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمھاری
صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
شکلیں مجھے مڑ مڑ کے دکھاتے ہوئے جاؤ

تسلیم کو مادر کی جھکے دونوں وہ گلرو | دل ماں کا یہ اُمڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس ہو گئے آہو | پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینب خوشخو
میداں کی طرف رہ گئی ماں یاس سے تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستاروں سے چمک کر

میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے | گویا کہ بہم حیدرؑ و جعفرؑ نظر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے | افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسفؑ سے فزوں حسن گراں مایہ ہے ان کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے ان کا

وہ چاند سا منھ اور وہ گیسوئے معنبر | دو بدر شبیں چار زہے قدرت داور
سب شان ید اللہ کی سب شوکت جعفرؑ | چتون وہی غصہ وہی سارے وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

تن تن کے جو شان اپنی دکھاتے تھے وہ یکجا | چھاتی سے لگا لیتے تھے دونوں کو ید اللہ
شمشاد سے قامت نہ دراز اور نہ کوتاہ | کھیلے ہوئے تیغوں میں فن جنگ سے آگاہ
ناخن میں دلیروں کے سب انداز وغا تھے
بچے تھے مگر بچۂ ضرغام خدا تھے

پڑھنے لگے اشعارِ رجز جب وہ دلاور اللہ ری فصاحت فصحا ہو گئے ششدر
ہر بیت تھی دشمن کے لیے تیغِ دو پیکر ہر مصرعۂ برجستہ میں تھی تیزیٔ خنجر
دے کون جواب ان کو کہ دم بند تھا سب کا
دال قافیہ تھا تنگ فصیحانِ عرب کا

اظہارِ نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام سب پڑھنے لگے صلِ علیٰ صاحبِ اسلام
آگے جو بڑھے نام علیؑ لے کے وہ گلفام دل ہل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مجرے کو علم جھک گئے سب فوجِ شقی کے

آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبیرؑ ڈنکے پہ ادھر چوب لگی چلنے لگے تیر
اس وقت بڑے بھائی سے کی چھوٹے نے تقریر تلوار علم کیجیے اب کس لیے تاخیر
کہیے تو جدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
اسواروں پہ ہم آپ کمانداروں پہ جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی سر کرتے ہیں یا ہے کون سی ایسی یہ لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اتر جائیں مگر ساتھ نہ چھوٹے

نانا کی طرح فوج پہ حملہ کریں آؤ تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ ہم سینہ سپر تم پہ ہوں، تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پہ رستم کا بھی منہ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر　　بس کھینچ لیے نیمچے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگا لشکر　　نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رن میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

موت آئی اُدھر نیمچے دونوں جدھر آئے　　جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
گہ تنگ تک آئے تو کبھی تا کمر آئے　　خالی نہ گئے جس پہ گئے خوں میں بھر آئے
وہ نیمچے بجلی تھے ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دو مہ نو خوں کی شفق میں

اُٹھتی تھی نہ ڈر سے کسی خونخوار کی گردن　　سر خود کا اڑ جاتا تھا تلوار کی گردن
دو چار کے مُنہ کٹ گئے دو چار کی گردن　　اسوار کا سر اُڑ گیا رہوار کی گردن
وہ نیمچے دونوں جو گزرتے تھے کمر سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

گردن سے بڑھے کاٹ کے بکتر نکل آئے　　جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے
چار آئینے میں پیر کے باہر نکل آئے　　صابون سے دو تار برابر نکل آئے
محراب کے نیچے کبھی جھکتے نہیں دیکھا
مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

ہر غول میں غلطاں و تپاں تھے سر و پیکر　　دستانے کہیں تھے کہیں ڈھالیں کہیں مغفر
جب نیمچے اُن دونوں کے اُٹھتے تھے برابر　　مُنہ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے ستمگر
رہ گئے انھیں طاقت یہ نہ تھی پیر و جواں کی
صورت نظر آجاتی تھی تیغ دو زباں کی

غارت تھی وہ صف جس سے وغا کر کے پھر آئے — وہ ہاتھ میں سب کو فنا کر کے پھر آئے
سرداروں کے سر تن سے جدا کر کے پھر آئے — ہر غول میں اک حشر بپا کر کے پھر آئے
غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

گھوڑے بھی چھلاوا کبھی یاں تھے کبھی واں تھے — پتلی میں تو پھرتے تھے پہ نظروں سے نہاں تھے
پانی تھے جو بیباک تو ادھر گرم عناں تھے — بجلی تھے کسی جا تو کہیں آب رواں تھے
بکتی ہی بجلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے

بے آب تھے دو دن سے پہ جاندار تھے گھوڑے — ہر دم تہ اڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
اس پار کبھی تھے کبھی اس پار تھے گھوڑے — نقطہ تھی وہ سب فوج تو پرکار تھے گھوڑے
دشمن جو مر جاتے تھے کاوے میں کچل کے
بڑھ سکتا تھا کوئی نہ احاطے سے اجل کے

تانے ہوئے نیزوں کو جدھر جاتے تھے دونوں — تلواروں سے فوجوں کی گزر جاتے تھے دونوں
ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے دونوں — سب ہٹتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے دونوں
الٹی ہوئی صف دیکھ کے ہنس دیتا تھا بھائی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا بھائی

دم لے کے جو گھوڑوں کو اڑاتے تھے وہ جرار — اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرار — دو کرتے تھے یکتا جسے پاتے تھے وہ جرار
شیروں نے جو مارا بھی تو رہ داروں کو مارا
سب آنکھ تلے چین کے نمبرداروں کو مارا

جمعیت خاطر کو پریشاں کیا دم میں — جو فوج کی جاں تھے انھیں بے جاں کیا دم میں
تلوار کو جنگل سے گلستاں کیا دم میں — سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں
بے دست تھے علموں کو جو سید بن لیے تھے
بچوں نے جوانوں سے نشاں چھین لیے تھے

وہ لاکھ کو دونوں نے کیا تھا تہ و بالا — تیغ ایک کی چلتی تھی تو اک بھائی کا بھالا
اک تھم گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا — دم اس نے لیا اُس نے لڑائی کو سنبھالا
اک جا فرس تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

وہ بھیڑ کے تازی جو سواروں میں در آیا — دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جب شیر سا بچا وہ اُدھر یہ ادھر آیا — جاں آگئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو تیغوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بڑھ کے جو بھائی سے دغا کرتا تھا بھائی — بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی — ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا کوئی صفدر نہیں واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

بولا یہ بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب — بھائی میں بھگا دوں ابھی ان کو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی کی کلیجے کو نہیں تاب — سینے میں مرے دل نہیں ہے آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ محق کیا نہیں اس آب رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے مرے گلفام　　ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام　　یہ صبر کا ہنگام ہے پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں در خیمہ پہ کھڑی ہیں

اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل　　روکیں ہمیں کیا تاب لعینوں کی ہے کیا دل
پل باندھ دیں لاشوں کے ابھی ہم سر ساحل　　بتلاؤ تو پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ اُدھر پیاس سے گو لاکھ تعب ہے
اماں ہمیں گر دودھ نہ بخشیں تو غضب ہے

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب　　ہر راہ میں رضامندیٔ مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب　　منظور ہمیں تیغ کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہ والا کو پلا کے

جعفرؑ کے جو پوتے ہیں تو حیدرؑ کے نواسے　　کچھ ہم علی اصغرؑ سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی پھر لڑنے لگے اہل جفا سے　　فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے
خوں سر کا بہا منہ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آ گئے دونوں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ　　پردے سے کھڑی تکتی تھی مادر سوئے جنگاہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہ ذیجاہ　　اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے مجھ سے مری مادر و بہن کا

عباس نے کی عرض کلیجہ ہے دو پارا — ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے اور مجھ کو نہ اک بار پکارا — جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اُٹھا لاؤں گا اُن کو

حضرت نے کہا صاحب غیرت ہیں وہ دونوں — لخت جگر شاہ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغام نیستان شجاعت ہیں وہ دونوں — واللہ بڑے صاحب ہمت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروروں میں گھریں گے
بے جان دیئے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمِ ذیجاہ — اکبر نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یاشاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمہ جانکاہ — لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
زخمی ہیں کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کے
میں ساتھ انھیں لاتا ہوں اعدا کو بھگا کے

گھبرا کے در خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری — سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری — بتلاؤ تو میں ان کی ہوں عاشق کہ تمہاری
میداں کی طرف قاسمؔ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسِ دلاور بھی نہ جائیں

زہرا کی قسم کچھ مجھے بیٹوں کا نہیں دھیان — بھائی پہ تصدق ہوں یہی ہے مجھے ارماں
وہ آئے تو وسواس سے دل ہوگا پریشاں — صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے کسی عنواں
خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی
لاشے بھی اُٹھانے کو انھیں جانے نہ دوں گی

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر　　مر جائیں گے زخمی ہوئے گر قاسمؑ دلگیر
دل کس کا چھیدے تم کو لگائے جو کوئی تیر　　سمجھاؤ میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیرؑ
باقی ہے اگر زیست تو خود آئیں گے دونوں
غم کس لیے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے　　لو شاہ کی ہمشیر کے فرزند سدھارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے　　وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو اُن دونوں کے اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے سنانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرّانے لگے حضرت عباسؑ　　گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بی بیاں ڈیوڑھی کے جو تھیں پاس　　سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا　　زینبؑ بھی ہٹیں چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلّائی ارے چپکے رہو غُل ہے یہ کیسا　　بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتے ہو پُرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

سر اپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے وسواس　　اک شب کی دُلھن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
شبیرؑ تو ہیں اب سر پہ جو بیٹوں سے ہوئی یاس　　اکبرؑ مری امید ہے قاسمؑ ہے مری آس
اب خُلد میں دادا کے قریں جائیں گے دونوں
کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

باتیں تو یہ کیں سینے میں سنبھلا نہ دل زار تڑپا یہ کلیجا کہ گرے خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہ ابرار مہماں کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

زخمی تھے سر اور خاک میں آلودہ تھے گیسو جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہ نو سے وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر بہ پہلو
پھنکتے تھے جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

ٹکڑے ہوا سینے میں دل سبط پیمبر ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہ صفدر
چھوٹے نے بڑے سے یہ کہا ہوش میں آکر بالیں پہ حضور آگئے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سن کر یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دل افگار دونوں نے رکھے سر قدم شاہ پہ اک بار
اکبر سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم سے خبردار
ہم دونوں کے مرنے کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انہیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمہارے
پھر کچھ بھی نہ کی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تو بہے آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمہ میں آئی | رانڈوں نے اُدھر ماتمی صف گھر میں بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی | فضہ یہ پکاری کہ دوہائی ہے دوہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہیں شبیرؑ
معصوموں کی لاشوں کو لیے آتے ہیں شبیرؑ

بیٹھی صفِ ماتم پہ اِدھر شاہ کی خواہر | سیدانیوں نے اُٹھ کے اُدھر کھول دیے سر
لاشوں کو لیے آئے جو گھر میں شہِ صفدر | زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لختِ جگر آئے ہیں تمھارے
لو دودھ بھی بخشو پسر آئے ہیں تمھارے

عاشق تھے مرے اور مرے غمخوار تھے دونوں | بچے تھے مگر صادق الاقرار تھے دونوں
اس عمر میں ماموں کے مددگار تھے دونوں | حیدرؑ کی طرح صفدر و جرّار تھے دونوں
موت آئی کہ دل داغوں سے اب بھر گیا زینبؑ
دونو یہ نہیں مر گئے میں مر گیا زینبؑ!

افسوس کہ ان دونوں کی دیکھی نہ جوانی | میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہمت تھے یہ جانی
ہوتی ہے بہت زخمیوں کو تشنہ دہانی | پر مجھ سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی
سمجھے کہ گرفتارِ ستم آج ہیں ماموں
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہیں ماموں

ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہِ ابرار | بس آگیا فرزندوں کی ہمت پہ اُسے پیار
تھراتی ہوئی خاک سے اُٹھی وہ دلِ افگار | پاس آن کے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگیں زینبؑ
مُنھ خون بھرے چہروں سے ملنے لگیں زینبؑ

خوں دیکھا جو بچوں کا تو چھاتی اُمنڈ آئی   نزدیک تھا مر جائے یداللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُس نے دکھائی   سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی
بچے مرے قرباں ہوئے احسان خدا کا
اے بی بیو صدقہ ہے یہ شاہ شہداؑ کا

روکر سر شہزادی نے کہا صدقے میں تم پر   دم بھر انھیں رو لو کہ یہ مہماں ہیں باہر
بانو نے اشارا کیا یا سبطِ پیمبرؐ   قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ
یہ ماتم اولاد ہے مر جائیں گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ   فرزندوں کو چلانے لگی زینبؑ ذی جاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ   صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی بھی دوں گی
اچھا تمھیں دونوں سے میں مانجائے کو لوں گی

لو تیغیں کاندھوں پہ دھرو اے مرے پیارو   تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دونوں سے یہ ہمت کو نہ ہارو   یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو
اُٹھ بیٹھو میں صدقے گئی اتنا نہیں سوتے
اس طرح تو جاگے ہوئے دُولھا نہیں سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل   بچو تمھیں کیا سُن کے کہیں گے شہ عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورت بسمل   سلجھاؤ یہ زلفیں کہ اُلجھتا ہے مرا دل
کیا عشق میں ہے سونے کا یہ نقشا نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

بچو تمھیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا
حسرت رہی ماں نے تمھیں دولھا نہ بنایا
پیدا ہوئے جس دن سے کبھی چین نہ پایا
دیکھی نہ جوانی کہ پیام اجل آیا
ہے ہے چمن دہر میں پھولے نہ پھلے تم
جب فصل بہاری کے دن آئے تو چلے تم

پھر دونوں کے سر زانو پہ رکھ کر یہ پکاری
لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
بے ہوشی میں کچھ مجھ کو خبر بھی نہ تمھاری
اب آنکھوں سے چھپ جائیں گی یہ صورتیں پیاری
دنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آ گئی بچو
ہے ہے یہ تمھیں کس کی نظر کھا گئی بچو

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا نہ گئے تم
دروازے پہ دم بھر کے لیے آ نہ گئے تم
پیاسے تھے مگر جانب دریا نہ گئے تم
ہے ہے دلہنیں بھی مجھے دکھلا نہ گئے تم
جیتی ہے وہ ماں جس کے گزر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مر جانے کے دن تھے

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دل زار
کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

مرثیہ

در حال حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

عباسِ علیؑ یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے

(بند ۱۲۲)

عباسؑ علی یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے — شمشاد قبا پوشِ گلستانِ علیؑ ہے
شبیرؑ کا دل روحِ حسنؑ جانِ علیؑ ہے — شوکت سے دلاور کی عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اُس کے نہ کیونکر رہے میدانِ وغا کا
فرزند زبردست ہے وہ دستِ خدا کا

سلطانِ سریرِ حشم و جاہ ہے عباسؑ — عالم کے شجاعوں کا شہنشاہ ہے عباسؑ
آئینۂ تصویرِ یداللہ ہے عباسؑ — شبیرؑ تو خورشید ہے اور ماہ ہے عباسؑ
اقبال و جلال اُس کا زمانے پہ جلی ہے
وہ نورِ محمدؐ ہے تو یہ نورِ علیؑ ہے

شمشیرِ وغا فارسِ میدانِ تہور — جرار و وفادار و اولوالعزم و بہادر
تشبیہ میں عاجز نہ ہو کس طرح تصور — ہے عالمِ بالا پہ ملائک کو تحیر
جب کھینچ چکا شکل علمدار و علم کو
خود چوم لیا صانعِ قدرت نے قلم کو

لکھے کوئی کیا الفت سردار و علمدار — دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق میں یہ پیار
بلبل کو بھی یہ گل سے محبت نہیں زنہار — قمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلبگار
اک آن فراق ان میں شب و روز نہیں ہے
پروانہ بھی یوں شمع کا دل سوز نہیں ہے

فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلین اٹھانا — معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا
ساتھ آنا صدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا — تھی عین تمنا قدم آنکھوں سے لگانا
شہ سوتے تو تکیہ پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ
مانند قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

فرماتے تھے شبیرؑ کہ اے میرے گل اندام — تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام
کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام — راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام
لازم ہے ادب آپ ہیں سردار ہمارے
جاگے تو زہے طالع بیدار ہمارے

فرماتے تھے شہ مادر عباسؑ سے اکثر — عباسؑ علیؑ ہے مرا شیدا مرا یاور
پیارا ہو نہ کیونکر مجھے یہ آپ کا دلبر — جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدرؑ
اس بھائی میں خو بو ہے شہ عقدہ کشا کی
گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیر خدا کی

وہ کہتی تھی اے احمد مختار کے پیارے — خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند ستارے — فخر اس کا ہے عباسؑ جو سر قدموں پہ وارے
منہ اس نے سدا پائے مبارک پہ ملا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

عباسؑ کی خاطر سے یہ کہتی نہیں واری ہے اس کو نہ اولاد نہ جان آپ سے پیاری
سوتے ہیں کبھی رہتا ہے زباں پہ یہی جاری فرزند پیمبرؐ پہ فدا جان ہماری
ہے عشق ولی اُس کو شہ کون و مکاں سے
لیتا نہیں بے صلِّ علیٰ نام زباں سے

اک روز کہا میں نے کہ عباسؑ وفادار تم اُن کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
صدقے گئی یہ طرفہ محبت یہ نیا پیار جو تم ہو سو وہ ہیں پسر حیدرؑ کرار
مرتے ہوئے حیدرؑ نے سپرد ان کے کیا ہے
کچھ خط غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

اتنا مرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھیر لی تھرا کے کہا بات یہ کیا منھ سے نکالی
توبہ کرو یکساں ہوا میں اور شہ عالی میں بندۂ ناچیز وہ کونین کا والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
ذرہ کبھی خورشید کا ہمسر نہیں ہوتا

نسبت مجھے کیا اُن سے کہاں نور کہاں خاک میں گرد قدم اور وہ تاج سر افلاک
عباسؑ کے نانا بھی ہیں کیا سید لولاک میرے لیے آئی ہے کبھی خلد سے پوشاک
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں
میری بھی ثنا ہے کہیں قرآن خدا میں

زہراؑ نے مجھے دودھ پلایا ہو تو کہدو کاندھے پہ محمدؐ نے چڑھایا ہو تو کہدو
جبرئیل نے جھولے میں جھلایا ہو تو کہدو ان رتبوں میں رتبہ کوئی پایا ہو تو کہدو
وہ فخر دو عالم ہیں امام دو جہاں ہیں
اسرار لدنی مرے سینے میں کہاں ہیں

اک مور ہو کس طرح سلیمانؑ کے برابر ۔ رتبے میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر
ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر ۔ کیونکر ہو ہما نیرِ تاباں کے برابر
سر قائمۂ عرش تلک جا نہیں سکتا
کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

خوش ہوں جو غلام علی اکبرؑ مجھے سمجھیں ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں
وہ خادم اولادِ پیمبرؐ مجھے سمجھیں ۔ رتبہ مرا بڑھ جائے جو قنبر مجھے سمجھیں
نعلین اُٹھاؤں مری معراج یہی ہے
شاہی ہے یہی تخت یہی تاج یہی ہے

یکساں ہی تو ہے مرتبۂ شبرؑ و شبیرؑ ۔ بیٹوں میں علیؑ کے یہ کسی کی نہیں تقصیر
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں اے مادرِ دلگیر ۔ مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائے گا عباسؑ
باتیں جو یہی ہوں گی تو مر جائے گا عباسؑ

ہنس ہنس کے میں سنتی رہی تقریر پیاری ۔ اُس کو تو یہ غصہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
لے لے کے بلائیں کہا تب میں نے کہ واری ۔ حاصل ہوئی اے لال مراد آج ہماری
وہ دن ہو کہ حق تجھ سے غلامی کا ادا ہو
تو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو

فرمانے لگے اشک بہا کر شہِ ابرار ۔ اے والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
عباسؑ دلاور مرے سب گھر کا ہے مختار ۔ رکھتا ہے حسینؑ ایک زمانے میں یہ غمخوار
اماں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے
عباسؑ نہیں ساتھ، علیؑ ساتھ ہیں میرے

کیا اُنس ہے کیا عشق ہے کیا پیار ہے کیا چاہ — مر کر بھی ہیں پروانۂ شمعِ لحدِ شاہ
جب قافلہ نزدیک پہنچتا ہے تو ناگاہ — عباسؑ کو ہوتا ہے یہ حکم شہِ ذی جاہ
آج آتے ہیں غمخوار شہنشاہِ اُمم کے
لاؤ مرے زوّاروں کو سائے میں علم کے

روضے ہیں کہ دو عرش زمیں پر ہیں نمودار — اُدھر وہ ہے ادھر شہ کا اُدھر آپ کا بازار
دربار یہ حضرت کا وہ عباسؑ کی سرکار — دونوں درِ رحمت ہیں جدھر رُخ کریں زوّار
دل کھول کے آئے جو رواقِ شہِ دیں میں
فردوس سے نکلے تو چلے خلدِ بریں میں

یاں رحمت و عزت ہے وہاں دبدبہ و جاہ — روضے پہ یہ ہے رعب کہ العظمۃ للہ
شیروں کا یہ نقشہ ہے کہ بن جاتے ہیں روباہ — سر رکھتے ہیں چوکھٹ پہ فقیروں کی طرح شاہ
بے اذن بشر کیا کہ ملک جا نہیں سکتا
جھوٹی کوئی روضے میں قسم کھا نہیں سکتا

ساتوں فلک اُس در کی بلندی سے ہیں ششدر — زیبا ہے اُسے کہیے اگر عرشِ منوّر
کرتے ہیں طواف اس کا ملک فخر سمجھ کر — حقّا کہ درِ خانۂ ایماں ہے وہی گھر
اُس در کے لیے خلق میں یہ عزّ و شرف ہے
دنیا میں جواب اُس کا اگر ہے تو نجف ہے

دریا کی طرح صحنِ مقدس ہے کشادہ — روشن ہے زمیں وادیٔ ایمن سے زیادہ
دیندار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ — مل جاتا ہے واں سے درِ فردوس کا جادہ
ہاتھ آیا شرف جب قدم اُس فرش پہ پہنچا
کرسی پہ دھرا پاؤں تو سر عرش پہ پہنچا

ضو دیتا ہے کیا قبۂ ایوان علمدار ہے مہبط انوار خدا ہر در و دیوار
شمسے پہ نظر کرتا ہے جب گنبد دوّار گر پڑتی ہے بالائے زمیں مہر کی دستار
ہو جاتا ہے دھوکا فلک نیلوفری پر
فیروزے کا ہے ایک نگیں تاج زری پر

محروم پھرے واں سے نہ جا کر کوئی مخلوق پاتے ہیں شفا کوڑھی و ابرص و مدقوق
اس طرح بہم ہے وہ ضریح اور وہ صندوق آغوش میں عاشق کے ہو جس طرح سے معشوق
رحمت کا سفینہ اُسے کہیے تو بجا ہے
تابوت سکینہ اُسے کہیے تو بجا ہے

قندیلوں میں ہے روضۂ اقدس کے عجب نور پروانہ ہے شمعوں پہ تجلی سرِ طور
رنگ رخِ مہتاب فلک ہوتا ہے کافور ہو جاتا ہے خورشید فلک شام سے مستور
بخشے ہیں خدا نے دل بیدار وروں کو
حوریں ہیں کہ غرفوں سے نکالے ہیں سروں کو

قندیلوں کے خاکے ہیں کہ پھولا ہوا گلشن خاکے ہیں کہ پریاں مہ کنعاں کے ہیں جوشن
نور اس میں ہے یوں سینے میں جیسے دلِ روشن جلوے سے ہے ظاہر کہ یہ تجلی کا ہے مسکن
ہر وقت نیا حسن نئی جلوہ گری ہے
کھنچے ہیں ہے طاؤس اُبھرنے میں پری ہے

عباس علمدار کی درگاہ کے صدقے شوکت کے تصدق حشم و جاہ کے صدقے
کیا شیر جواں ہے اسد اللہ کے صدقے جب راہ سے سب جاتے ہیں اس راہ کے صدقے
پہلے نہ بہشت اور نہ رخ حور دکھائے
اللہ ان آنکھوں کو وہی نور دکھائے

مداحیِ عباسؑ بشر کا نہیں مقدور   اب تذکرۂ معرکۂ جنگ ہے منظور
ظاہر ہوئی گردوں پہ جو صبح شبِ عاشور   میداں میں صف آرا ہوا لشکرِ مقہور
تیر آتے تھے ہر صف سے امامِ ازلی پر
فوجوں کی چڑھائی تھی حسینؑ ابنِ علیؑ پر

جب شہ کے عزیزوں کو پیامِ اجل آیا   رخصت میں علمدار جری کی خلل آیا
اک شیر سا جھنجلا کے پرے سے نکل آیا   تلوار کھنچی واں ادھر ابرو پہ بل آیا!
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے شہِ دیں کے ادب سے
ہونٹوں کو چباتے تھے مگر جوشِ غضب سے

اتنے میں شہادت کئی لڑکوں نے جو پائی   اور سامنے مارے گئے چھوٹے کئی بھائی
جب شمعِ مزارِ حسنؑ اعدا نے بجھائی   تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی جائی
محتاج تھا یاں لاشۂ نوشاہ کفن کو
واں بی بیاں رنڈ سالہ پنہاتی تھیں دلہن کو

کی زوجۂ مسلمؑ نے فدا اپنی کمائی   بیٹوں کو رضا مرنے کی زینبؑ نے دلائی
سب بی بیوں نے دولتِ اولاد لٹائی   قاسمؑ تھے سو ماں اُن کی انھیں نذر کو لائی
عباسؑ یہ کہتے تھے کہ ہم روتے ہیں صف میں
اماں تو مدینے میں ہیں بابا ہیں نجف میں

شبیرؑ نے مغموم جو عباسؑ کو پایا   ہمشکلِ پیمبرؐ کو اشارے سے بلایا
احوال جو پوچھا تو یہ اکبرؑ نے سنایا   ہے ابرِ الم دل پہ چچا جان کے چھایا
کام آتا ہے جو رن میں خجل ہوتے ہیں عباسؑ
دامانِ علم منھ پہ دھرے روتے ہیں عباسؑ

جب وقت سے نوشاہ کا لاشہ ہوا پامال اُس وقت سے ہے آپ کے بھائی کا عجب حال
چہرہ ہے کبھی زرد کبھی سبز کبھی لال دانتوں میں کبھی ہونٹ کبھی آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ اب سوئے نجف جائے گا عباسؑ
مُنھ رانڈ بھتیجی کو نہ دکھلائے گا عباسؑ

حضرت نے کہا سب ہے یہ سامانِ جدائی ٹوٹے گی کمر۔ ہم سے بچھڑ جائے گا بھائی
منظور تھا ضائع نہ ہو بابا کی کمائی کچھ اُن کا نہ جائے گا ہماری اجل آئی
بھائی کے لیے داغِ جگر بھائی کا غم ہے
دھیان اپنا ہے اُن کو ہمیں تنہائی کا غم ہے

وہ چاہتے ہیں جوہرِ شمشیر دکھائیں آنچ آئے نہ شبیرؑ پہ ہم برچھیاں کھائیں
خود سینہ سپر ہو کے برادر کو بچائیں ہم آہ کہاں سے جگر اس طرح کا لائیں
پھر کون ہے اپنا جو وہ عالم سے اُٹھے گا
یہ داغ تو پیارے نہ کبھی ہم سے اُٹھے گا

رخصت نہ ملے گی وہ خوشی ہوں کہ خفا ہوں دم بھرتے ہیں اُلفت کا تو ہم سے نہ جدا ہوں
ہم کو بھی تو مرنا ہے شہید ایک ہی جا ہوں ہم اُن پہ تصدّق ہوں تو وہ ہم پہ فدا ہوں
جب آئے اجل کھول کے آغوش لپٹ جائیں
اک تیغ سے دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹ جائیں

اکبرؑ نے کہا زیست سے بندہ بھی ہے عاری ہے بعد مرے رخصتِ عباسؑ کی باری
شہ بولے ابھی چُپ رہو خاطر سے ہماری کس کس کی جدائی میں کریں گریہ و زاری
تنہا نہ کرو دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
اتنا بھی ستاتے نہیں اک زار و حزیں کو

دیتا ہے کوئی داغ کوئی کرتا ہے گھائل — سو درد ہیں اک جان ہے سو زخم ہیں اک دل
کیا درد رسیدہ کو الم دینے سے حاصل — تم دونوں کو مشکل نہیں کچھ ہے ہمیں مشکل
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا
ہم ذبح بھی ہوں گے تو کوئی پاس نہ ہوگا

مختار تمھاری تو ہے بس زینبؑ دلگیر — لازم ہے تمھیں پالنے والی سے یہ تقریر
تم برچھیاں کھانے کی عبث کرتے ہو تدبیر — جو روٹھے ہیں اُن کو تو منائے ابھی شبیرؑ
اولاد کا کچھ دھیان نہ کچھ پیاس کا غم ہے
تم سب سے زیادہ مجھے عباسؑ کا غم ہے

بیٹے سے یہ فرما کے جو رونے لگے سرورؑ — بیچین ہوئے دیکھ کے عباسؑ دلاور
سمجھے کہ طلب کرتے ہیں رخصت علی اکبرؑ — حضرت کے پس پُشت کھڑے ہو گئے آ کر
سایہ جو کیا فرق پہ دامان علم کا
سینے میں دھڑکنے لگا دل شاہ اُمم کا

شہ نے کہا کیوں ہم سے کچھ آزردہ ہو بھائی — ان باتوں سے کچھ بو خفگی کی ہمیں آئی
کیا کہتے ہو کیوں شرم سے گردن ہے جھکائی — پیارے نہیں تم ہم کو یہ کیا جی میں سمائی
دیکھو تو ادھر سبط نبیؐ تم پہ فدا ہو
ہم صدقے ہیں تم بھائی سے روٹھو نہ خفا ہو

لو آؤ میں ان اشکوں کو دامن سے کروں پاک — زلفوں پہ کدھر جا کے جا لائے ہو یہ خاک
قربان تمھارے پسر سید لولاک — مجھ درد رسیدہ کو عبث کرتے ہو غمناک
سر پیٹو گے اور نالہ و فریاد کرو گے
مر جاؤں گا جب میں تو بہت یاد کرو گے

اب کون سی وہ بات ہے جس کا ہے تمھیں غم — جرأت نہ رہی دل میں کہ جیتے ہیں ابھی ہم
رو رو کے علمدار نے کی عرض یہ اُس دم — ہے فخر غلامی مجھے اے قبلۂ عالم
چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو
بندے کی یہ طاقت ہے کہ آقا سے خفا ہو

حضرت میں ہے سب احمدؐ مختار کی خو بو — بتلائیے حُر کون تھا اے سیّد خوشخو
فرمایا بصد لطف جسے قوّتِ بازو — سر اُس کا کہاں اور کہاں آپ کا زانو
رحمت کا قرینہ کبھی چھوڑا نہیں آقا
دشمن کا بھی دل آپ نے توڑا نہیں آقا

کیا سن تھا مرا خلق سے جب اُٹھ گئے حیدرؑ — میں آپ کے سایہ میں پلا یا شہِ صفدر
ہوتا الم بے پدری پھر مجھے کیونکر — تھا فضل الٰہی سے شفیق آپ سا سر پر
سب راز خفی قبلۂ عالم پہ جلی ہیں
میں نے بھی یہ جانا کہ مرے سر پہ علیؑ ہیں

مارے گئے خویش و رفقا مجھکو نہ پوچھا — مر جانے کی دی سب کو رضا مجھکو نہ پوچھا
لڑ کے ہوئے مقتل میں فدا مجھکو نہ پوچھا — قاسمؑ پہ چلی تیغ جفا مجھکو نہ پوچھا
کس طرح کہوں فرق عنایت میں نہیں ہے
حصّہ مرا کیا جنس شہادت میں نہیں ہے

شہ بولے اسی بات پہ بس ہے یہ شکایت — انصاف ہے شرط اے پسر شاہِ ولایت
رخصت ہی کے ملنے کو سمجھتے ہو عنایت — کیا رائے میں آیا ہے یہ اے حاملِ رایت
قوت ہے تمھیں سے تو مرے قلب و جگر کو
تیغوں میں کوئی ہاتھ سے کھوتا ہے سپر کو

معلوم ہوا ہے تمھیں منظور ہے جدائی میں منع تو کرتا نہیں کیوں روٹھے ہو بھائی
لو چھاتی سے لپٹو کہ رضا مرنے کی پائی یہ سنتے ہی اک جان سی عباسؑ میں آئی
خوش ہو کے تصدق ہوئے سلطان امم پر
سر رکھ دیا جھک کر شہ والا کے قدم پر

ناگاہ در خیمہ سے فضہؑ یہ پکاری غش ہو گئی ہے پیاس سے یہ آپ کی پیاری
گہوارے میں اصغرؑ بھی سسکتا ہے میں واری عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دہائی ہے رسولؐ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیر خدا کی

فضہ کی صدا سنتے ہی میدان سے پھر شاہ روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمہ میں تلاطم تھا کہ العظمۃ للہ پانی کا ادھر شور ادھر ماتم نوشاہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہؑ تو پڑی تھی
بچے کو لیے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

مردے کی طرح زرد ہوا تھا رخ روشن لب پیاس سے نیلے تھے برنگ گل سوسن
چھاتی تو دھڑکتی تھی بس اور سرد تھا سب تن لٹکے ہوئے تھے ہاتھ ڈھلی جاتی تھی گردن
ماں روتی تھی چلا کے تو رک جاتی تھی ہچکی
ننھا سا دہن کھلتا تھا جب آتی تھی ہچکی

اصغرؑ کی اذیت دیکھ کے روئے شہ ابرار آواز پدر سن کے سکینہؑ ہوئی ہشیار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہؑ
ہو مشک اگر کوئی تو لے آؤ سکینہؑ

یہ سنتے ہی اک مشک وہ سوکھی ہوئی لائی   سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
روتی ہوئی بچی جو قریب شاہ کے آئی   حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

چپ ہوگئی یہ سُن کے سکینہ جگر افگار   عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہ ابرار   تھرانے لگی زوجۂ عباسؑ علمدار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا
فرزند تو گودی میں تھا منھ چاند سا فق تھا

حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار   غم تھا کہ یہ سب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار   تکتی تھی کنکھیوں سے کبھی سوئے علمدار
بے تابی دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
عباسؑ کی آنکھوں سے بھی ڈھل پڑتے تھے آنسو

منھ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارا   شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا
صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا   دیکھو کہیں بگڑے نہ بنا کام ہمارا
ہر بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ
روتی ہو تو کبریٰ کی طرف دیکھ کے روؤ

چپکے سے وہ کہتی تھی نہیں صبر کا یارا   بے خنجر و شمشیر ہمیں آپ نے مارا
یہ درد ہے وہ درد کہ جس کا نہیں چارا   صاحب ہوئے جب تو رہا کون ہمارا
سینوں میں جگر داغِ یتیمی سے جلیں گے
بچے مرے کم سن ہیں یہ کس طرح پلیں گے

بھاوج کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ابرار　　تم سے بھی نہ رد کے گئے عباسؑ علمدار
سر شرم سے کھیوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار　　حضرت ہی رضا دینے نہ دینے کے ہیں مختار
مالک مرے اور ان کے شہ عرش نشیں ہیں
بانو کی میں لونڈی یہ غلام شہ دیں ہیں

کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں یا شاہ　　کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصت جنگاہ
ماں کو علی اکبرؑ کی سہاگن رکھے اللہ　　میری نہ محبت ہے نہ بیٹیوں کی انہیں چاہ
جو بھائی ہو کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو
فخر اس کا جو زہراؑ کی کمائی پہ فدا ہو

اک آہ بھری شہ نے یہ سن کر سخن یاس　　آداب بجا لا کے چلے حضرت عباسؑ
سر کھولے ہوئے غول تھا رانڈوں کا حیب راس　　چلاتے تھے شراب ہے ہو ہم بیکس و بے آس
تا زیست تو اب دردِ جدائی نہیں جاتا
دنیا سے علیؑ جاتے ہیں بھائی نہیں جاتا

غل تھا کہ علمدار خدا حافظ و ناصر　　شبیرؑ کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
اے بیکس و بے یار خدا حافظ و ناصر　　سیدؑ کے مددگار خدا حافظ و ناصر
دریا سے بھرے مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
پھر گھر میں سلامت تمھیں آتے ہوئے دیکھیں

چلاتی تھی زینبؑ ترے صدقے مرے بھیا　　سچ ہے کہ حسینؑ آج ہوئے بیکس و تنہا
پردے کے قریں بازوئے شبیرؑ جب پہنچا　　اونچا کیا فضہ نے درِ خیمہ کا پردا
کاندھے پہ علم رکھ کے وہ ضیغم نکل آیا
بدلی جو ہٹی نیرِ اعظم نکل آیا

دی پیک نے بڑھ کر سوئے اصطبل یہ آواز — آپ آتے ہیں حاضر کرو شبدیز سبک تاز
تھا رشکِ فلک سیر کی آمد کا یہ انداز — جس طرح سے طاؤس خراماں ہو بصد ناز
سرعت کے سبب پائے میں عالم تھا ہرن کا
اندھیاری نہ تھی چہرے پہ گھونگھٹ تھا دلہن کا

خوبی جو رکابوں کی مسافر کو کبھی پائے — ہاتھ آئیں تو آنکھوں سے فلک اپنے لگائے
آنکھوں کا یہ عالم کہ غزال آنکھ چرائے — اُڑنے میں پرندوں کے بھی ہوش اُس نے اُڑائے
غازی کی سواری بھی عجب شان سے آئی
غُل تھا کہ پری اُڑ کے پرستان سے آئی

گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسؑ علمدار — زانو میں جو دابا تو ہرن ہو گیا رہوار
جاسوس نے آواز یہ دی فوج کو اک بار — شیر آتا ہے دریا کی ترائی سے خبردار
ہاں رُخ طرف نہر ہے اس بحر کرم کا
خورشید نہ سمجھو اسے پنجہ ہے علم کا

ناگہ نظر آیا علمِ دیں کا پھریرا — پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا — گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہونچا
لو سامنے بپھرا ہوا شیر آن ہی پہونچا

ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں — پانی کے لیے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہ اُمم آتا ہے رن میں — اسلام کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

چتون تو قیامت کی ہے تیور ہیں غضب کے
اک حملے میں سر تن سے اتر جائیں گے سب کے
فرزند ہیں یہ فخر شجاعان عرب کے
شیران کے ہی تیور سے نکل جاتا ہے دب کے
بچے کبھی اس گھر کے نہیں رن سے ٹلے ہیں
یہ سب اسد اللہ کے بیشے کے پلے ہیں

خالق جسے اپنے ید قدرت سے بنائے
خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اس سے ملائے
یہ چاند سی تصویر کہاں سے کوئی لائے
خود ڈھونڈے نظیر اپنی تو عالم میں نہ پائے
چہرہ گل شاداب ہے قد سرو سہی ہے
یوسف شہ والا کے عزیزوں میں یہی ہے

ہر شہر میں پیشانی انور کا ہے شہرا
سجدے کا نشاں بھی ہے تکلف ہے یہ زہرا
گویا ورق ماہ پہ ہے مہر کا مہرا
دیکھو سر خورشید پہ طالع ہوا زہرا
اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
موسیٰ نے یہ جلوہ ید بیضا میں نہ دیکھا

غصے سے جو تیوری کو چڑھائے ہے یہ جرار
گویا کہ ہیں دو ناخن شیر ابروئے خمدار
بے جنگ ہوئی جاتی ہے گھائل صف کفار
ہل جاتے ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
اس طرح کا صفدر کوئی ہستی میں نہیں ہے
یہ کاٹ کبھی تیغ دو دستی میں نہیں ہے

کہیے مہ نو ان کو تو یہ رو نہیں اس میں
مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اس میں
ہے اک گل خورشید سو خوشبو نہیں اس میں
آنکھیں نہیں پلکیں نہیں ابرو نہیں اس میں
بوئے گل تر میں یہ خط و خال کہاں ہے
قد سرو کا موزوں ہے تو یہ چال کہاں ہے

آنکھوں کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے   یاں دیدۂ نرگس کا بھی مضموں نظری ہے
حلقے میں سوادِ شبِ نورِ سحری ہے   یہ چشم میں پتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے
یہ شام و سحر حور و ملک نے نہیں دیکھی
آنکھ ایسی کبھی چشمِ فلک نے نہیں دیکھی

خط ہے جو شبِ قدر تو رُخ صبحِ ارم ہے   کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
توصیف میں عاجز دمِ تحریر قلم ہے   دیکھو خطِ ریحاں ورقِ زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شبِ دیجور لیے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا حور لیے ہے

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا   یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
برگِ لبِ نازک گلِ تر نے نہیں پایا   نورِ اس دُرِ دنداں کا گہر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

آئینہ کو حیراں کیا گردن کی صفا نے   ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے
الماس سے بازو ہیں تو مہتاب سے شانے   شانوں کو تو چوما ہے شہِ عقدہ کشا نے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
اس طرح کا پنجہ نہ کسی شیر نے پایا

دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی   یہ رستمِ دستاں نے بھی قوت نہیں پائی
منہ دیکھ لیں خود ہے یہ ہتھیلی میں صفائی   اور ناخنِ انور کا ہنر عقدہ کشائی
بے تیغ کھنچے ہاتھ کا جوہر نہیں کھلتا
زور ان کا بجز قلعۂ خیبر نہیں کھلتا

انوارِ الٰہی سے منور ہے یہ سینہ مسکن ہے یہاں نور کا وہ گھر ہے یہ سینہ
ہم مرتبۂ سینۂ حیدر ہے یہ سینہ عدل و کرم و داد کا مصدر ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوشبو کہ پسینہ ہے قبا میں
جزدان میں مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا میں

اُس کی کمرِ راست کا کیا حال کہوں آہ خم ہو گئی مرجانے سے جس کے کمرِ شاہ
جس جا یہ ہو نقشِ قدمِ ابنِ یداللہ مٹنے سے وہ مثلِ خطِ قسمت نہیں آگاہ
اس خاک پہ کیوں رشک نہ ہو چرخِ بریں کو
گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمیں کو

اللہ رے اوجِ علمِ فوجِ پیمبر جنّت کی پھریرے سے ہوا آتی ہے فر فر
تھا سر پہ ہما سایہ فگن کھولے ہوئے پر پنجے کی چمک دیکھ کے خورشید تھا ششدر
تابندہ کوئی شے نہیں زیرِ فلک ایسی
موسیٰ نے تجلّی میں نہ دیکھی چمک ایسی

صف باندھے ہوئے محوِ ثنا تھے ستم آرا جو حضرتِ عبّاس نے بڑھ کر یہ پکارا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
دعویٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

ناگاہ کہا شمرِ جفا جو نے یہ بڑھ کر اے وارثِ شمشیرِ علیؑ ثانیِ جعفر
کیا قصد ہے دیکھو تو یہ دریا ہے کہ لشکر لاکھوں سے کہیں ایک جواں ہوتا ہے سر بر
جیتے نہیں بچنے کے جو مرنا ہو تو آؤ
پانی کے لیے خون میں بھرنا ہو تو آؤ

کچھ تم سے محبت نہیں رکھتے شہ ذیجاہ — یوسف کو گنواتے ہیں یہ کس طرح کی ہے چاہ
مفت اپنی جوانی کو نہ ضائع کرو للہ — آیا دم شمشیر بہ اس نہر کی ہے راہ
ہوگا یہ تلاطم کہ دل کوہ ہلے گا
ان تیغوں کی باڑھوں میں تمہیں گھاٹ ملے گا

عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے — ہاں روک تو او ظالم غدار ہم آئے
اک وار میں اس پار سے اس پار ہم آئے — لے گھاٹ سے اور نہر سے ہشیار ہم آئے
تلوار کے مالک تہ افلاک ہمیں ہیں!
اب دم شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

تو کیا ہے جو رستم ہو تو ہم منھ کو نہ موڑیں — سر جائے پہ حیدر کے طریقے کو نہ چھوڑیں
مرجائے اگر شیر کے پنجے کو مروڑیں — گر قلعۂ خیبر ہو تو اک ہاتھ سے توڑیں
سو بجلیاں چمکیں تو کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے انبوہ سے ضیغم نہیں ڈرتے

فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا — ہالہ ہوا کاوے پہ جو رہوار کو ڈالا
بھالوں کو ادھر بڑھ کے سواروں نے سنبھالا — بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
اس شان سے غازی صف جنگاہ میں آیا
غل تھا کہ اسد لشکر روباہ میں آیا

دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اک بار — عالم کو قیامت کے نظر آ گئے آثار
ہلنے لگے اشجار لرزنے لگے کہسار — صحرا سے گریزاں ہوئے اژدر طرف غار
جن کہتے تھے خالق ہمیں اس آن بچا لے
چلاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچا لے

گرتے تھے طیورانِ ہوا کھولے ہوئے پر
شہباز کے بازو سے لپٹتا تھا کبوتر
بجلی نہ گرے ہم پہ پرندوں کو یہ تھا ڈر
سب جان بچانے کے لیے پھرتے تھے مضطر
نعرہ جو کیا ابنِ شہِ قلعہ شکن نے
مُنھ ڈال دیا شبّر کے قدموں پہ ہرن نے

مغفر کو جو کاٹا تو جبیں سے نکل آئی
سر پہ جو پڑی خانۂ زیں سے نکل آئی
بجلی سی صفِ لشکرِ کیں سے نکل آئی
گہ ڈوب گئی گاہ زمیں سے نکل آئی
غُل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہیں رُکتی
یہ تیغ تو جبرئیل کے پر سے نہیں رُکتی

نے ڈھال پہ نے سر پہ نہ گردن پہ رُکی وہ
سینہ پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رُکی وہ
نے سنگ نہ اشجار نہ آہن پہ رُکی وہ
نے زین نہ پاکھر پہ نہ توسن پہ رکی وہ
یہ چاشنی خونِ عدو بھا گئی اُس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اُس کو

جوں موج ہوئی فوج میں ہل چل لبِ دریا
دکھلانے لگا رخش بھی چھل بل لبِ دریا
کٹ کٹ کے گرے برچھیوں کے پھل لبِ دریا
پھٹ پھٹ گئے ڈھالوں کے بھی بادل لبِ دریا
دریا میں نہ اُس تیغ کا پرتو نظر آیا
مطلع جو ہوا صاف مہِ نو نظر آیا

جب ناریوں کو تیغ کے گھاٹ اس نے اُتارا
لڑنے میں نظر آگیا دریا کا کنارا
سقائے حرم فوج کو بڑھ کر یہ پکارا
کیوں اب کہو دریا ہے ہمارا کہ تمھارا
تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو اب ہم تمھیں آنے نہیں دیتے

یوں لیتے ہیں دریا جو شجاعت کے دھنی ہیں ہم قوتِ بازوئے امام مدنی ہیں
ہر چند گرفتار غریب الوطنی ہیں ہم شیر غضبناک و دم تیغ زنی ہیں
ہے بات کی پیچ نام پہ مرتے ہیں بہادر
جو کہتے ہیں منہ سے وہی کرتے ہیں بہادر

خالی تو میں پھیر کر کبھی خیمے میں نہ جاتا ہٹتا نہ اگر سینے پہ سو تیر بھی کھاتا
ممکن تھا کہ یہ شیر ترائی کو نہ پاتا کٹتا جو مرا سر بھی تو لاشہ نہیں آتا
مٹی بھی یہیں کی تن صد چاک پہ ہوتی
گر قبر بھی ہوتی تو اسی خاک پہ ہوتی

عباسؑ دلاور تو یہ کہتے تھے بصد قہر پھر پھر کے نظر کرتا تھا گھوڑا طرف نہر
دوڑی چلی آتی تھی زیارت کو ہر اک لہر فرماتے تھے بے شاہ یہ پانی ہے مجھے زہر
کس کو خبر اس کی ہے مروں گا کہ جیوں گا
بے قبلۂ عالم تو یہ پانی نہ پیوں گا

کہہ کر یہ سخن ڈال دیا نہر میں رہوار حسنِ رخ رنگیں سے وہ تختہ ہوا گلزار
تھے صاف حباب لب دریا گل بے خار پانی میں مہک عطر کی آجاتی تھی ہر بار
تھی نور کی ضو عکس سے گرداب کے اندر
خورشید تو باہر تھا قمر آب کے اندر

پہلے تو کہا دل سے بجھا لیجئے یاں پیاس پر ساتھ ہی ڈوبے عرق شرم میں عباسؑ
سوچے کہ سلامت تو پہنچنے کی نہیں آس خم ہو کے بھرا مشک کو دریا سے بصد یاس
جب تشنہ دہن تا بہ لب جو نکل آئے
شبیر کی یاد آگئی، آنسو نکل آئے

دریا کی ترائی میں جو آیا وہ غضنفر
بھاگی ہوئی پھر جمع ہوئی فوج ستمگر
شدت سے آیا کئی سو قدر اندازوں کو لے کر
غل تھا کہ نکل جانے نہ پائے یہ دلاور
پیاسے پہ گھٹا شام کے لشکر کی جھکی تھی
تلواروں سے اور برچھیوں سے راہ رکی تھی

غصے میں بڑھے آتے تھے عباسؑ علمدار
تھی مشک سکینہؑ نہ سپر ہاتھ میں تلوار
حملے تھے وہی تیغ وہی اور وہی وار
اس غول کے آگے کبھی اس صف کے ہوئے پار
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتا تھا گھوڑا
بڑھتا تھا کبھی اور کبھی رک جاتا تھا گھوڑا

شعلے کی لپک تیغ کے پرتو نے دکھائی
بجلی کی تڑپ اسپ سبک رو نے دکھائی
رفتار غزال اس کی تگ و دو نے دکھائی
ہر سم کے تلے شکل مہِ نو نے دکھائی
آہو میں بھی ایسے نہ طرارے نظر آئے
ہر گل جو ہلی دھوپ میں تارے نظر آئے

جا جا کے ہر اک صف میں لڑا عاشقِ شبیرؑ
برچھی کہیں کھائی کہیں نیزہ کہیں شمشیر
جس وقت لگے دونوں طرف بازوؤں پہ تیر
عباسؑ نے جعفر طیارؑ کی تصویر
جنت کے دریچوں کو ملک باز کریں گے
اب ہو کے جدا نہر سے پرواز کریں گے

گھوڑا جو رکا گھیر لیا فوج نے ایک بار
زخمی تھی کلائی پہ چلی جاتی تھی تلوار
گھبرا گئے جب تیروں کی پڑنے لگی بوچھار
مشکیزے کو جھک جھک کے بچاتے تھے علمدار
پیہم صفِ اعدا سے یہ ناوک فگنی تھی
گھڑے کی بھی گردن دمِ طائر سی بنی تھی

تھے جسم پہ مانند زرہ تیروں کے روزن گویا کہ لہو روتا تھا ہر دیدۂ جوشن
تھی غرق بخوں تن کی قبا زین کا دامن غش آتا تھا ہر نے پہ جھکی جاتی تھی گردن
کھا کھا کے سناں شکر خدا کرتے تھے عباسؑ
پر مشک نہ پہلو سے جدا کرتے تھے عباسؑ

غل فوج میں تھا مار لیا شیر زباں کو ہاں بھائیو دم لینے نہ دو تشنہ دہاں کو
پانی سے کہیں تر نہ کرے خشک زباں کو توڑو کمر سبط رسولؐ دو جہاں کو
مر جائے گا تیغوں سے جو مشکیزہ کٹے گا
پانی جو بہا دو گے تو زور اس کا گھٹے گا

جب گھر گیا اعدا میں علمدار حسینی لڑتا رہا تا دیر مددگار حسینی
زخمی ہوا تیروں سے جو غمخوار حسینی غل تھا کہ مٹی رونق سرکار حسینی
گو تن میں نہ طاقت تھی مگر لڑتے تھے عباسؑ
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے عباسؑ

یاں کا تو یہ نقشہ ہے سنو حالت سرورؑ روتے ہیں کمر پکڑے ہوئے سبط پیمبرؐ
ڈیوڑھی پہ تو سب ہیں حرم اور آپ ہیں باہر لب پر کبھی نالے ہیں کبھی ہائے برادر
تکتے ہیں سوئے نہر سراپردوں کے تلے سے
لپٹائے ہیں عباسؑ کے بیٹے کو گلے سے

پھر غل جو ہوا رن میں تو زینبؑ یہ پکارے آفت ہے تباہی ہے بہن اب گھر پہ ہمارے
گھبرا ہے مرے شبیر کو دریا کے کنارے مارے کوئی مجھ کو مرے بھائی کو نہ مارے
عباسؑ کی گردن سے جو شمشیر ملے گی
پھر مجھ کو کہاں باپ کی تصویر ملے گی

ڈیوڑھی پہ یہ ماتم تھا حرم کرتے تھے زاری — کہتی تھیں سکینہؑ کہ چلی جان ہماری
سر کھولے دعا مانگتی تھیں بی بیاں ساری — یا شیرِ خدا خاک میں مل جائیں یہ ناری
طوفاں سے خدا پیاسوں کی کشتی کو بچا لے
اللہ سکینہؑ کے بہشتی کو بچا لے

ناگاہ یہ جانکاہ صدا دشت سے آئی — ہاں طبل بجے تیغ علمدار نے کھائی
تصویر علیؑ صفحۂ ہستی سے مٹائی — دیکھیں تو کہ اب بھائی کو پیدا کرے بھائی
ٹھنڈا شہ والا کا علم کر دیا ہم نے
عباسؑ کے ہاتھوں کو قلم کر دیا ہم نے

نوفل سے کیا شمرِ لعیں نے جو اشارا — وہ دستِ علمدار اٹھا کر یہ پکارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا — دیکھے انہیں کس جا ہو ید اللہ کا پیارا
تلواروں سے تصویر مٹائی ہو یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہو یہ کس کی

بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آ گئے ناگاہ — تھرانے لگے غیظ میں ابن اسد اللہ
اتنا تو کہا مر گئے عباسؑ علیؑ آہ — تیغ دو زباں کھینچ کے روئے شہ ذی جاہ
یاں بنت علیؑ کوٹ کے سینہ نکل آئی
سب بی بیوں سے پہلے سکینہؑ نکل آئی

عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا — کیوں نکلیں بہن تم کسے مارا کسے مارا
وہ کہتی تھی رونے دو نہیں ضبط کا یارا — اے بھائی بہشتی مرا کوثر پہ سدھارا
چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے چلے آتے ہیں بابا

فرزند کو بابا کی خبر سُن کے غش آیا　گودی میں اُسے دوڑ کے فضہ نے اُٹھایا
دریا پہ جو پہونچا اسد اللہ کا جایا　واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کئے تھے
تیروں سے چھدی مشک کو پہلو میں لیے تھے

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہ ابرار　صدقے میں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
مجروح یہ بھی تیروں سے ہر چشم گہربار　عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھدیا پاؤں پہ امام دو جہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اُٹھاؤ　عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ　یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر　کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقت تقریر
اب تن کی رگیں کھچتی ہیں یا حضرت شبیرؑ　امید یہ ہے رحم کرے مالک تقدیر
آگے مرے رونے خلف شاہ نجف ہے
اس وقت تلک منھ مرا قبلہ کی طرف ہے

سب کام مرے آپکے صدقے سے بن آئے　وہ فاطمہؑ آئیں شہ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولؐ زمن آئے　سب مشکلیں آسان ہوئیں پنجتن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے مولا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے مولا

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے / کلمہ جو پڑھا ہونٹ علمدار کے تھرائے
دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو جو نکل آئے / سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے
زانو پہ شہ دیں کے سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ

سر پیٹ کے ہاتھوں سے پھر شبیر پکارے / عباسؑ ہمیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے / بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمھارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدق
عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدق

کچھ بولو تو اے عاشق سلطان مدینہ / چلاتی ہے ڈیوڑھی سے تمھیں بالی سکینہ
بتلاؤ بھتیجی کی تسلی کا قرینہ / اس صدمے سے اس بچی کا دشوار ہے جینا
یہ شک جو دواں خون میں تر جائے گی بھائی
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی

خاموش انیسؔ اب تو نہ کہہ زاری شبیر / ٹکڑے کئے دیتا ہے جگر کو تری تقریر
ہر بیت میں ہے درد ہر اک لفظ میں تاثیر / مصرعے ہیں محبوں کے کلیجوں کے لیے تیر
کم ہے عوض اس کا جو کوئی کوہ طلا دے
آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صلا دے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

در حال جناب سید الشہداء علیہ السلام

نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے

(بند ۱۱۸)

نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے — اڑنے لگے شرر دم خارا شگاف سے
بجلی بڑھی چمک کے جو دشت مصاف سے — صاف آئی الاماں کی صدا کوہ قاف سے
طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال میں — سکاں غرب و شرق تھے بیم زوال میں
مضطر تھے شش جہت کے مکیں ایک حال میں — غل تھا کہ گھر گئے غضب ذوالجلال میں
شہ کا غضب نمونۂ قہر الٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

رحمت میں جن و انس و ملک کی خلل پڑے — قلزم میں ڈر کے مردم آبی اچھل پڑے
کھا کھا کے جوش خاک سے چشمے ابل پڑے — بیر العلم سے غول جنوں کے نکل پڑے
الٹی زمیں سمجھ کے دلوں پہ یہ ٹھن گئی
پریوں کے ہوش اڑ گئے جانوں پہ بن گئی

اٹھا جو الحفیظ کا ہر جانوروں میں شور! مردے دہل کے چونک پڑے سب میان گور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور ہے بازوئے حسین میں دست خدا کا زور
الٹے ہیں مثل شیر خدا آستین کو
اے کردگار عرش بچالے زمین کو

جنگل میں تھی علم جو وہ تیغ شرر فشاں تھرا کے آسمان میں چھپتا تھا آسماں
غار اژدروں سے چھٹ گئے شیروں سے نیستاں برپا تھا بر و بحر میں اک شور الاماں
مانند موج مچھلیوں کو اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی میں آب تھا

تاریک تھا شکاریوں کی آنکھوں میں سب جہاں مضطر تھے شیر و گرگ نکالے ہوئے زباں
بن سے سیاہ گوش بھی بھاگے دبا کے کان غل تھا یہ دام و دد میں کہ کیونکر بچے گی جاں
تیغ علی علم تھی جو دشت قتال میں
چیتوں نے منہ چھپائے تھے گینڈوں کی ڈھال میں

گھڑیال زیر آب تھے مضطر ادھر ادھر جا گہ پناہ کی کہیں ملتی نہ تھی مگر
تھی مچھلیوں کے چہروں پہ گرداب کی سپر بری میان بحر تھے بحری میان بر
گھر چھٹ گئے تھے جانوروں کے یہ رنگ تھے
خشکی میں تھے نہنگ تری میں پلنگ تھے

غل تھا کہ ضرب تیغ علی سے خدا بچائے یہ برق دیکھیے کسے پھونکے کسے جلائے
قہر خدا سے بچ کے کوئی کس طرف کو جائے بچ جائے آج جو وہ دوبارہ حیات پائے
فولاد ہو کہ سنگ یہ منہ موڑتی نہیں
بے دو کیے کسی کو کبھی چھوڑتی نہیں

اعدا پہ جبکہ تیغ شرر افشا چلی　　بجتی ہوئی برش سے جلو میں قضا چلی
غل پڑ گیا کہ صرصرِ قہرِ خدا چلی　　اک دم میں سر تنوں سے اُڑے یہ ہوا چلی
غل تھا غضبِ حسینؑ کا قہر آلہ ہے
بادِ فنا سے گلشنِ ہستی تباہ ہے

تھرا رہے تھے شیر زہے ہیبتِ حسینؑ　　گیتی کو زلزلہ تھا زہے شوکتِ حسینؑ
فاقوں میں کم ہوئی تھی نہ کچھ طاقتِ حسینؑ　　اک قدرتِ خدا تھی خوشا قدرتِ حسینؑ
سوکھی ہوئی زباں پہ کسی کا گلا نہ تھا
سولہ بھی ہوئے تھے کہ پانی ملا نہ تھا

فاقوں سے رنگ زرد تو لب پیاس سے کبود　　چہرے سے تھا خیالِ جہاں آفریں نمود
کرتا تھا نورِ حق جو سوئے آسماں صعود　　تسبیح پڑھ رہے تھے ملک اور بشر درود
تھم جاتے تھے حسینؑ جو تلوار تول کر
حوریں بلائیں لیتی تھیں غرفوں کو کھول کر

وہ ماہ رُخ پہ ہالۂ گیسوئے تابدار　　خوشبو پہ جس کی عنبرِ سارا بھی ہے نثار
تھا فاطمہؑ کا رشتۂ جاں اُن کا تار تار　　قرباں ہر ایک تار پہ سو نافۂ تتار
گیسو نہ تھے رُخِ خلفِ بوترابؑ پر
تھی جدولِ سیہ ورقِ آفتاب پر

سرلوحِ مصحفِ رُخِ پُرنور تھی جبیں　　آئینہ کی طرح سے نہ جس میں شکن نہ چیں
مرآتِ نورِ حق قمرِ آسمانِ دیں　　قطرے عرق کے رشکِ دہ گوہرِ ثمیں
چھڑکاؤ تھا گلاب کا اُس سرزمین پر
گرتے تھے ٹوٹ ٹوٹ کے اختر زمین پر

وہ اوج ذوالفقار وہ چتون بھووں کا بل — اک نخل قد دکھاتا تھا تیغوں کے تین پھل
ہلتے تھے غیظ سے جو وہ ابروئے بے بدل — گویا پروں کو تولتا تھا طائر اجل
پلکوں کے تیر سب کے کلیجوں کے پار تھے
کھنچتی تھی یاں کماں اُدھر اعدا شکار تھے

آنکھیں وہ نرگسی کہ غزال آنکھ کو چرائے — ہنگام غیظ شیر یہ چتون کہاں سے لائے
پنجے سے اس غمزہ کے وغا میں خدا بچائے — زہرہ ہو آب آب جگر کیوں نہ تھرتھرائے
سمجھو نہ دُور آنکھ ملانے کی دیر ہے
پتلی ہے چشم میں کہ ترائی میں شیر ہے

ابرو ہیں نون حسن تو چشم حسین ہے صاد — محراب کعبہ وہ ہے تو یہ قبلۂ مراد
گو یہ جدا جدا ہیں یہ ہے عین اتحاد — دیکھے عدو جو کور نہ ہو چشم اعتقاد
لاریب نور چشم نبیؐ و علیؑ یہ ہے
نص جلی ہوا کہ خدا کا ولی یہ ہے

رخسار ہیں وہ گل جنہیں خوف خزاں نہیں — ٹکڑے ہیں لعل کے لب شیریں بیاں نہیں
ہے ماہی محیط فصاحت زباں نہیں — یہ فرط نازکی ہے کہ گویا دہاں نہیں
باتوں میں بند ہیں فصحا کائنات کے
صدقے ہیں بات بات پہ کوزے نبات کے

سوکھے لبوں پہ لعل بدخشاں نثار ہیں — دانتوں کے نور پہ دُر غلطاں نثار ہیں
تابندگی پہ اختر تاباں نثار ہیں — یہ آب ہے کہ قطرۂ نیساں نثار ہیں
ایسے گہر نہیں کہیں بحر عمیق میں
گویا چمک رہے ہیں ستارے عقیق میں

وہ لعل لب وہ روئے مطہر وہ ریش شاہ ہیں ایک جا ہلال و شب قدر و نور ماہ
کیا خوشنما ہے گرد مطہر ہالۂ سیاہ ہے صبح و شام ایک جگہ کھینچئے نگاہ
ہے رتبۂ رخ پسر ذیشاں کھلا ہوا
گویا دھرا ہے رحل پہ قرآں کھلا ہوا

مدحِ گلوئے پاک کوئی کیا کرے بھلا محبوب کبریا نے سدا جس پہ منھ ملا!
حیرت ہے کیوں الٹ نہ گیا دشت کربلا خنجر سے کٹ گئیں وہ رگیں اور وہ گلا
بخشا فروغ جس نے یہ ایماں کے طور کو
سر کاٹ کر بجھا دیا اُس شمع نور کو

وہ دوش پاک بادشہ آسماں وقار ہے سارے عاصیوں کی شفاعت کا جس پہ بار
بازو وہ ہیں کہ بازوئے دیں جن سے استوار ساعد سے زور دست ید اللہ آشکار
سب پر کھلی ہے عقدہ کشائی حضور کی
روشن ہے انگلیوں سے کہ ہیں شمعیں نور کی

ہر دم اٹھا کے ہاتھ یہ فرماتے ہیں سخن عالم میں خمسۂ نجبا ہیں یا سر زمن
کیوں جانتے ہو کون ہیں دنیا میں پنجتن ہیں اور نبی و فاطمہ و حیدر و حسن
وہ رکن جب سے اُٹھ گئے رنج و بلا میں ہیں
اب میں فقط مخمّس آل عبا میں ہوں

اعضا میں کیوں نہ ہاتھ کا ہو مرتبہ بلند دست کرم وہ ہے کہ خدا کو بھی ہے پسند
ہے پنجتن کی ذات سے سب خلق بہرہ مند پانچ انگلیوں میں ہاتھ کی ہیں چاردہ جو بند
عقدے یہ اُن سے کھلتے ہیں جو ذی شعور ہیں
چودہ بزرگ خلق میں خالق کے نور ہیں

ہے طور نور ذات خدا سینۂ حسینؑ
صاف آئینہ ہے اک دل بے کینہ حسینؑ
اسرار حق ہے گوہر گنجینۂ حسینؑ
روح الامیں ہے خادم دیرینۂ حسینؑ
سینہ نہیں سفینۂ طوفانِ نوحؑ ہے
ایماں کی سجدہ گاہ ہے قرآں کی روح ہے

آئینۂ حلب سے فزوں تر صفا میں ہے
یہ ضو نہ بدر میں ہے نہ شمس الضحیٰ میں ہے
یاں دل میں ہے وہ ضو جو کلام خدا میں ہے
قرآں غلاف میں ہے کہ سینہ قبا میں ہے
کیا قہر ہے کسی نے نہ پاس ادب کیا
زانو اسی پہ شمر نے رکھا غضب کیا

سینے پہ وہ پسینے کے قطروں کی آب و تاب
غرق عرق تھا شرم کے مارے جہاں گلاب
ہے گو کہ تین روز کے فاقے سے وہ جناب
پُر نور ہے شکم صفتِ قرص آفتاب
پھولوں کی بوئے خوش سے ہیں کپڑے بسے ہوئے
اُمت کی مغفرت پہ کمر ہیں کسے ہوئے

بازو ہے تیر ظلم سے زخمی کمر ہے خم
طاقت جواب دیتی ہے مولا کو دمبدم
پر واہ رے ثبات کہ اٹھتے نہیں قدم
تیغ شرر نجف ہے اسی ہاتھ میں علم
آنکھیں ہیں سرخ بحر شجاعت ہے جوش پر
شملہ چھٹا ہوا ہے عمامہ کا دوش پر

نیزہ ہے رشک افعی گیسوئے دل ستاں
سینے کو جس کے ڈر سے چرا تا ہے آسماں
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سناں
غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زباں
لشکر جو دیو کا ہو تو دم میں ہلاک ہو
اس کی ہوا لگے تو بدن جل کے خاک ہو

اس شان سے ہیں رن میں اکیلے امام دیں
اور واں پرے جمائے ہیں میداں میں اہل کیں
خنجر کہیں ہیں تیر کہیں برچھیاں کہیں
اللہ ری کشمکش نظر آتی نہیں زمیں
لشکر بڑھے ہیں شاہ پہ یوں شام و روم کے
آتی ہے جس طرح سے گھٹا جھوم جھوم کے

تیغوں کی اس گھٹا میں چمکتی ہیں بجلیاں
باجوں کے زور شور میں ہے رعد کی فغاں
چھائے ہوئے ہیں شہ پہ زرہ پوش سب جواں
لوہے کی ہے زمین تو ڈھالوں کا آسماں
چاروں طرف سے نرغۂ فوج کثیر ہے
ابر کرم پہ بارش باران تیر ہے

ہر صف میں برچھیاں بھی ہزاروں لچکتی ہیں
نوکیں وہ تیز ہیں کہ دلوں میں کھٹکتی ہیں
نیزے تلے ہوئے ہیں سنانیں چمکتی ہیں
ترکش کھلے ہوئے ہیں کمانیں کڑکتی ہیں
سنگیں دلوں نے ہاتھوں میں پتھر اٹھائے ہیں
تیغوں کے ساتھ گرز گراں سر اٹھائے ہیں

گھوڑوں سے گونجتا ہے وہ سب وادی نبرد
گردوں میں مثل شیشۂ ساعت بھری ہے گرد
ہے چرخ چار میں یہ رخ آفتاب زرد
ڈر ہے گرے زمیں پہ نہ مینائے لاجورد
گرمی ہجوم فوج سے وہ حبس ہوگئی
خاک اس قدر اڑی کہ ہوا بند ہوگئی

دستے وہ مصر و زنگ کے وہ فوج روم و شام
دن دوپہر وہ دشت کی گرمی وہ ازدحام
تیغیں برہنہ ہوگئی تھیں چھوڑ کر نیام
مانند شمع جل رہی تھیں برچھیاں تمام
تلواریں منہ چھپائے تھیں سایہ میں ڈھال کے
خنجر بھی رہ گئے تھے زبانیں نکال کے

لوں چل رہی تھی رن میں کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں کے رنگ ہوگئے تھے دھوپ میں سیاہ
برچھی کے پھل پہ ہوتا تھا شعلے کا اشتباہ
گلشن بنی ہوئی تھی ہر اک آہنی کلاہ
گویا کہ قوس میں تھا گذر آفتاب کا
عالم تھا ہر خدنگ پہ تیر شہاب کا

سر پہ لگائے تھا پسر سعد چتر زر
تھے دو غلام مروحہ جنباں ادھر اُدھر
تنہا تھا دھوپ میں اسد اللہ کا پسر
نے سایۂ علم تھا نہ عباسؑ نامور
لگتی تھی کچھ بدن کو ہوا آہ سرد سے
گیسو اَٹے ہوئے تھے بیاباں کی گرد سے

جنگل سے آرہی تھی یہ آواز بار بار
کیا آج تجھ پہ بن گئی اے میرے گلعذار
تو دھوپ میں کھڑا ہے مرا دل ہے بیقرار
سایہ تو کر لے رُخ پہ عبا کا یہ ماں نثار
عالم سیاہ ہے مری چشم پُر آب میں
سنولا گیا ہے چاند مرا آفتاب میں

مادر سے رو کے کہتے ہیں سلطانِ کربلا
کافی ہے آج سر پہ مرے سایۂ خدا
منصف ہوں آپ فرق پہ سایہ کروں میں کیا
سوتے ہیں آفتاب میں سب میرے مہ لقا
پڑتی ہے خاک اُڑ کے تن پاش پاش پر
اماں ردا نہیں علی اکبرؑ کی لاش پر

کرتے ہیں ماں کی روح سے حضرت تو یہ کلام
ہر سمت سے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام
کہتے ہیں مسکرا کے امام فلک مقام
کس سے لڑیں گے کیوں ہے یہ کوشش یہ اژدحام
فاقوں سے حال غیر ہے محتاج آب ہوں
میں آپ ہی مسافر پا در رکاب ہوں

اللہ کیا ہجوم ہے کیا شورِ گیر و دار اک جسم زار اور یہ نیزے کئی ہزار
اک سینہ اور یہ ناوکِ بیداد بے شمار میرے لیے تو پیاس ہے خود تیغِ آبدار
ان برچھیوں سے کس کو زمیں پر گرائیں گے
سو خنجر اک گلے پہ یہ کیونکر پھرائیں گے

آئی قریب سے یہ صدا اے شہِ نجف تجھ سا پسر دیا مجھے حق نے زہے شرف
مصروف ہیں ثنا میں تری انبیا کی صف لاکھوں ہیں گو ادھر یہ خدا ہے تری طرف
دیں ہے بلند کفر کی بنیاد پست ہے
ہر طرح تیری فتح ہے اُن کی شکست ہے

پیاسا جو تین روز رہا تو کنارِ جو دینِ نبیؐ کی رہ گئی دنیا میں آبرو
مقبولِ کردگار ہے نورِ خدا ہے تو ناجی ہیں تیرے دوست، تو ناری ہے ترا عدو
جائیں گے یہ کہاں جو ہیں تجھ سے پھرے ہوئے
ہیں سب کے سب خدا کے غضب میں گھرے ہوئے

ایوبؑ تیرے صبر کے ہیں آج مدح خواں لب پر خلیلؑ کے ہے ترے حلم کا بیاں
یعقوبؑ و نوحؑ و آدمؑ و یحییٰؑ ہیں اک زباں ہے کل کا فخر و دلبرِ پیغمبرِ زماں
عیسیٰؑ پکارتے ہیں کہ حق کا ظہور ہے
موسیٰؑ کا ہے یہ قول کہ خالق کا نور ہے

عباسؑ جب سے قتل ہوا ہے فرات پر حاضر ہے کربلا میں اُسی وقت سے پدر
نانا ہیں سینہ کوب حسنؑ ہیں برہنہ سر ماں بیقرار پھرتی ہے تھامے ہوئے جگر
تجھ پر نثار ہونے کو کس کی ہوس نہیں
تقدیر سے کسی کا مری جان بس نہیں

کی عرض شاہ دیں نے پدر سے بانکسار ۔۔۔ مولا ہیں اس عنایت و اشفاق پر نثار
یہ پرورش یہ غور یہ عزو افتخار ۔۔۔ کیا سرفراز ہو گیا اس دم یہ خاکسار
بیٹے پہ چاہیئے یوہیں اشفاق باپ کے
جان آگئی غلام میں آنے سے آپ کے

بندہ تو قابل اس کے نہیں بادشہ زماں ۔۔۔ جو ہوں مقربان خدا میرے مدح خواں
کیا میرا صبر اور مری ہمت کا کیا بیاں ۔۔۔ اک بندۂ حقیر و گنہگار و ناتواں
لب پر جو وہ بزرگ مرا ذکر لائے ہیں
یہ سب شرف حضور کے صدقے سے پائے ہیں

اب کچھ نہیں ہراس اگر لاکھ ہوں ستم ۔۔۔ ہاں ایک ہو تباہی زینب کا مجھ کو غم
جب ذبح ہو حسینؑ تہ خنجر دو دم ۔۔۔ اُس کی ردا بچائے گا کون اے شہ اُمم
سب گھر لٹے مگر وہ اسیر بلا نہ ہو
میں بے کفن رہوں پہ بہن بے ردا نہ ہو

یہ کہہ کے بس فرس سے اشارا کیا کہ ہاں ۔۔۔ کوندا مثال برق کمیت سُبک عناں
وہ غیظ وہ رجز وہ جلال و شکوہ و شاں ۔۔۔ تھی دمبدم وہ سیف زبانی کہ الاماں
دونوں زبانیں تیغ کی بھی شعلہ ریز تھیں
باتیں رجز کی تیغ دو دم سے بھی تیز تھیں

نعرہ یہ تھا کہ دلبر مشکلکشا ہوں میں ۔۔۔ جوہر کشائے تیغ شہ لافتا ہوں میں
شمس الضحیٰ علیؑ ہیں تو بدر الدجیٰ ہوں میں ۔۔۔ قرآں گواہ ہے کہ زبان خدا ہوں میں
کس آیۂ کریمہ میں ذکر علی نہیں
قرآں میں کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہیں

ہم تو ہیں اُس کلام میں اور ہم میں وہ کلام جس طرح لام میں ہی الف اور الف میں لام
لاریب فیہ گر ہی وہ ہادی تو ہم امامؑ اُمّت کو فرض عین ہی دونوں کا احترام
جو منحرف ہو اوہ مطیع خدا نہیں
قرآن و اہلبیتؑ ازل سے جدا نہیں

کچھ یاد ہی وصیّت محبوب ذوالجلال فرما گئے تھے خلق سے کیا وقت انتقال
بھولے کلام حق کو بھی اے قوم بدخصال ہم اہلبیتؑ ہیں سو ہمارا کیا یہ حال
کیوں مُنھ پھرا لیا ہی حدیث و کتاب سے
محشر میں کیا کہوگے رسالت مآب سے

تم یہ نہ جانیو کہ مجھے کچھ ہی خوف جاں لازم ہی یہ سخن کہ میں ہوں ہادی جہاں
قبضہ میں ہی حسینؑ کے تیغ شرر فشاں دشمن کو جس کی ضرب سے ملتی نہیں اماں
لاکھوں سے مُنھ پھرے نہ کبھی وہ دلیر ہوں
میں بیشۂ شجاعت و ہمّت کا شیر ہوں

بخشا ہی مجھ کو حق نے شہِ لافتا کا زور اس دست مرتعش میں ہی دست خدا کا زور
ہی انگلیوں کے بند میں خیبر کُشا کا زور پانی ہی میرے زور کے آگے ہوا کا زور
اُلٹوں فلک کو یوں جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہی ساغر حباب کا

آگے بڑھوں جو تیر کو چلّے میں جوڑ کے بھاگیں خطا شعار کمانوں کو چھوڑ کے
بیکار کردوں شیر کا پنجہ مروڑ کے ٹیکوں زمیں پہ در خیبر کو توڑ کے
اُلٹوں طبق زمین کے یوں جھک کے زین سے
جس طرح جھاڑ دیتے ہیں گرد آستین سے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کروں — آئے غضب خدا کا اُدھر رُخ جدھر کروں
بے جبرئیل کار قضا و قدر کروں — اُنگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآبؐ کی
رکھ دوں زمیں پہ چھین کے ڈھال آفتاب کی

میں شیر ہوں جو لاکھ اگر ہو تو کیا ہو تم — اُٹھا جو میرا ہاتھ تو دم میں فنا ہو تم
واللہ میرے سامنے بے دست و پا ہو تم — پر کیا کروں کہ اُمت خیر الوریٰ ہو تم
لو واسطہ رسولؐ خدا کا پناہ دو
اب بھی کسی طرح مجھے جانے کی راہ دو

یہ کہہ کے چپ ہوا جو امام فلک سریر — اُس فوج قاہرہ سے اُٹھا شور دار و گیر
کھولے ہوئے نشانوں کو آگے بڑھے شریر — فرزند فاطمہؑ پہ چلے دس ہزار تیر
وحشت سے عافیت نے منہ اپنا چھپا لیا
کالی گھٹا نے ڈھالوں کی جنگل کو چھا لیا

وہ شور کوس حرب کا وہ بوق کا غریو — شرمندہ برچھیوں کی چمک سے سنان گیو
نیزہ دراز صورت خنجر زبان دیو — وہ صورتیں کہ دیکھ کے ڈر جائے جن کو دیو
سب فوج یوں بڑھی تھی دغا کو امام سے
آندھی سیاہ آتی ہو جیسے دھوم دھام سے

برسے اُدھر سے تیر تو کوندی اِدھر سے برق — وہ برق چھپتی پھرتی تھی خود جس کے ڈر سے برق
چمکی وہ یوں کہ گر گئی اس کی نظر سے برق — روکیں کسے رکی ہو کسی کی سپر سے برق
جل تھل بھرے لہو سے نہ دیر اک گھڑی لگی
کیا ابر تیغ تھا کہ سروں کی جھڑی لگی

معجز نما تھی شاہ کی شمشیر آبدار　　دکھلائی ماہ صیفؑ نے برسات کی بہار
یاں برق واں ہوا تو ادھر ابر رو و بار　　بہیا کہیں لہو کی کہیں خون کی بھوار
یوں سر برس گئے یہ روانی تھی باڑھ میں
پڑتا ہو ڈونگرا کبھی جیسے اساڑھ میں

بہتے تھے خوں میں چار طرف سر کٹے ہوئے　　بڑھتے تھے جو بہت وہ کھڑے تھے ہٹے ہوئے
جو گھاٹ پر تھے زور تھے ان کے گھٹے ہوئے　　تھے جا بجا سے ڈھالوں کے بادل پھٹے ہوئے
لڑنے میں اوج تیغ کا وہ چند ہو گیا
نکلی کمان تیروں کا منھ بند ہو گیا

بازو ہر اک کمان کا کمزور ہو گیا　　تیروں کے منھ برسنے کا اک شور ہو گیا
ڈھالوں کا ابر خوں میں شرابور ہو گیا　　جو تھا کنار نہر لب گور ہو گیا
مشق شناوری تھی قیامت بڑھی ہوئی
اتری وہ تیغ خون کی ندی چڑھی ہوئی

کیا کیا چپاپ دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے　　تنتی تھی کیا تنوں سے زمیں پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے　　دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو!
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ میں اڑا کے کلائی نکل گئی　　کوندی گری زمیں میں سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی　　مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی
چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہونچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ بر سے زرہ ہاتھ سے سپر
برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر
ترکش کہیں پڑے تھے نشان زری کہیں
پیکاں کہیں تھے شست کہیں تھی سری کہیں

مقتل میں ہوش فوج عمر کے اُڑا دیئے
ٹکڑے ہر ایک کے تن و سر کے اُڑا دیئے
پُرزے ستمگروں کے جگر کے اُڑا دیئے
پرکالے ایک دم میں سپر کے اُڑا دیئے
جب ڈھال پر چمک کے در آتی تھی خود میں
سر کٹ کے آن پڑتا تھا ترکش کی گود میں

اللہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی
دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی
جل جل گئے وہ شعلہ فشانی دکھا گئی
کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی
لب صورت شگاف قلم بند کر دیئے
فقروں نے ذُوالفقار کے دم بند کر دیئے

پہونچی سُم فرس پہ جو بالائے سر گری
چمکی اُدھر زمیں سے نکل کر اُدھر گری
ناری جلے اُدھر وہ جدھر کوند کر گری
جس صف سے لگ چلی وہ صف خاک پر گری
دکھلا کے اوج جاتی تھی یوں ہر سوار پر
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر

دم میں گئی فلک پہ اور آئی ہزار بار
معراج دست شاہ میں پائی ہزار بار
دکھلا گئی صفوں کو صفائی ہزار بار
گرمی یہ تھی کہ خوں میں نہائی ہزار بار
جب تک چلی وہ زرد و سیاہ عدو رہی
اُس دن کے معرکہ میں وہی سرخرو رہی

غل تھا خط سیاہ نہ سمجھو یہ ناگ ہے　　جو دشمن علیؑ ہے اُسے اُن سے لاگ ہے
جلتا ہے دشت چار طرف بھاگ بھاگ ہے　　جائیں بچاؤ تیغ کے پانی میں آگ ہے
پھونکے نہ یہ دم اس سے ہمارے نکلتے ہیں
اژدر کی طرح مُنھ سے شرارے نکلتے ہیں

ہل چل وہ ان صفوں کی وہ گھوڑے کی جست خیز　　تھا ترک تاز میں کہیں صرصر سے تند و تیز
صدقے گندھے عیال پہ گیسوئے مشک بیز　　گرد آوری میں ابر تو بجلی دم ستیز
ذرّے قدم کے فیض سے سارے چمک گئے
جب پُتلیاں اُٹھیں تو ستارے چمک گئے

جرأت میں رشک شیر تو ہیکل میں پیل تن　　پوئی کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابر قطرہ زن　　بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

آنکھیں وہ جن کو دیکھ کے حیران تھے غزال　　گردن وہ جس کی شرم سے ہے سرنگوں ہلال
آہو کی جست شیر کی چتون پری کی چال　　دل اس کے دست و پائے حنائی سے پائمال
ہر نعل پا کا حُسن یہ تھا اُس جلوس میں!
آئینہ جس طرح سے ہو دستِ عروس میں

کل کی طرح اشارے میں سو بار پھیر لو　　بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے میں شکل گنبد دوّار پھیر لو　　نقطہ کے گرد صورت پرکار پھیر لو
دوڑے بروئے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو
آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

طاؤس سا جدھر گیا دُم کو جھنجھوڑ کر گئے
دم میں پرے سپاہ کے زیر و زبر گئے
کچلے کبھی بدن کبھی پامال سر گئے
کشتوں کو روند روند کے سُم خوں میں تر گئے
میداں میں تھا کسی کو نہ یارا ستیز کا
عالم ہر ایک نعل میں تھا تیغ تیز کا

زیبا ہے گر کہیں شرارِ باد پا اُسے
آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اُسے
طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اُسے
مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہے کیا اُسے
فتراک گر ہوا سے کبھی اک ذری اُڑی
یوں اُڑ گیا کہ سب نے یہ جانا پری اُڑی

مصروفِ جنگ تیغ سے تھے سرورِ حجاز
چمکا کے اسپ واں سے بڑھا ایک نیزہ باز
نامرد نے کیا جو ہیں دستِ ستم دراز
نیزہ اُٹھا کے کہنے لگے شاہ سرفراز
ہاں اے اجل گرفتہ کمر استوار کر
نیزے کا ہے غرور تو آ کوئی وار کر

کس طنطنہ سے شاہ پہ آیا وہ ناپسند
کل کی طرح سے پھرنے لگا ہر طرف سمند
نیزے سے اُس کے آپ کو پہونچا نہ کچھ گزند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تھا گو کہ نیزہ بازی پہ ظالم تُلا ہوا
یاں تھا سب اُس کے عزم کا عقدہ کھلا ہوا

نیزے سے اُس لعیں سے لڑائی جو آ پڑی
دونوں طرف سے جنگ میں کوشش ہوئی بڑی
انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے گھڑی گھڑی
تھی چوب سے تو چوب سناں سے سناں لڑی
اک معرکہ تھا بیچ میں دشتِ قتال کے
دو مار گتھ گئے تھے زبانیں نکال کے

پیہم ہوئیں تکاں پہ تکانیں جو یکدگر ظالم کبھی اُدھر تھا تو حضرت کبھی اِدھر
کس نوک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر فرزند شیرِ حق نے دکھایا عجب ہُنر
ظالم پہ آسماں سے بلا ناگہاں گری
دو نیم نیزہ اُڑ کے زمیں پر سناں گری

تھرا گیا بدن نہ رہی طاقتِ قرار گھوڑے کی باگ پھیر کے بھاگا وہ نابکار
بچ کر نکل چلا تھا کہ دوڑا کے راہوار نیزے کا اک کمر پہ کیا شاہِ دیں نے وار
موذی تھا وہ لعین پہ انی فتنہ کوب تھی
سر میں سناں تھی پشت کے مہروں میں چوب تھی

قربان زورِ بازوئے سلطانِ ارجمند زیں سے اٹھا کے اُس کو سناں پر کیا بلند
پہونچا سقر میں دارِ جہاں سے وہ خود پسند ٹپکا زمیں پہ جب تو ہوا چور بند بند
اپنے ہُنر پہ ناز تھا اُس نیزہ باز کو
دکھلا دیا جہاں کے نشیب و فراز کو

کام اُس خطا شعار کا جب ہو گیا اخیر نکلا پرے سے اک قدر انداز بے نظیر
بدکیش و کج نہاد و خطا پیشہ و شریر پلّے سے توڑ جاتا تھا جوشن کو جس کا تیر
کیا کوئی اس کے آگے بھلا سر اٹھا سکے
رستم بھی جس کماں کی نہ سیبرا اُٹھا سکے

قبضہ میں تیغ لے کے پکارے شہِ زماں ہاں ناوک افگنی مجھے دکھلا تو اے جواں
ہاں نکلی مُنھ سے یاں کہ کھنچی اُس طرف کماں کھنچنا کماں کا تھا کہ چلا تیر بے اماں
حلقہ اُدھر کمان کا خم ہو کے رہ گیا
یاں تیغ شہ سے تیر قلم ہو کے رہ گیا

خالی اسی روش سے ہوا ترکش شریر
تو دے لگائے کاٹ کے حضرت نے سارے تیر
چاہا تھا کشمکش میں کہ ہو جائے گوشہ گیر
چلائے شہ کہ بھاگ نہ او سرکشوں کے پیر
پیچھے ہٹے نہ پاؤں مزا ہے یہ جنگ کا
تو بھی تو توڑ دیکھ لے میرے خدنگ کا

یاں دوش سے کماں کو اُتارا جناب نے
قبضہ میں ماہ نو کو کیا آفتاب نے
بیٹے کے ہاتھ چوم لیے بوترابؑ نے
تا کا خطا کو تیر نگہ سے ثواب نے
ترکش بھی اژدہا سا دہن کھولنے لگا
نکلا عقاب تیر تو پر تولنے لگا

چلے میں رکھ کے تیر بڑھے قبلۂ اُمم
اک ہاتھ راست کرکے کیا دوسرے کو خم
کچھ کہہ کے گوشہ میں چلا تیر تیز دم
آواز دی کماں نے زہے شاہ باکرم
چلہ تو شستِ شاہ زمن سے نکل گیا
واں تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گرز و سنان و تیغ و تبر کانپنے لگے
نیزے مثال شاخ شجر کانپنے لگے
ڈر سے کماں کشوں کے جگر کانپنے لگے
گو ترکشوں میں تیر تھے پر کانپنے لگے
پیچھے ہٹے کھڑے تھے جو ظالم بڑھے ہوئے
گوشوں سے خود اُتر گئے چلے چڑھے ہوئے

شہ کے غضب سے چاہتی تھی ہر کماں اماں
مضطر زمیں تھی مانگتا تھا آسماں اماں
دیتے نہ تھے کسی کو امام زماں اماں
ہر صف میں تھا یہ شور کہ مولا اماں اماں
جب شاہ حملہ کرتے تھے شیر خدا کی طرح
دانتوں میں خس پکڑتے تھے سب کہربا کی طرح

کہتا تھا ہاتھ جوڑ کے یوں کوئی پُرغرور   اس وقت رحم اپنے غلاموں پہ ہے ضرور
موقوف کر جلال کو اے کبریا کے نور   صدقہ علیؑ کی روح کا اب بخشیئے قصور
آنکھیں ہم اپنی دور سے قدموں پہ ملتے ہیں
تلوار روکیئے کہ بس اب دم نکلتے ہیں

اے نورِ چشمِ احمدِؐ مختار رحم کر   اے یادگارِ حیدرِؑ کرار رحم کر
اے امتِ نبیؐ کے مددگار رحم کر   اے بحرِ غیظِ حضرتِ قہار رحم کر
اے نوحؑ عصر ہم سے نہ اب انتقام لے
امتؐ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے

اے افتخارِ حضرتِ آدمؑ پناہ دے   اے زیب بخشِ عرشِ معظم پناہ دے
اے فخرِ نوح و عیسیٰ مریم پناہ دے   اے باعثِ پناہ دو عالم پناہ دے
مولا تجھے قسم ہے رسولؐ کبیر کی
چمکا نہ ذوالفقار جنابِ امیرؑ کی

اُس غیظ میں سنا جو بزرگوں کا شہ نے نام   صدمہ ہوا یہ دل پہ کہ رونے لگے امامؑ
گردن پھرا کے پاس سے دیکھا سوئے خیام   تھاما جگر کو ہاتھوں سے اور چھوڑ دی لگام
آنکھوں کو بند کر کے فرس ہانپنے لگا
روکی جو ذوالفقار بدن کانپنے لگا

لڑنے میں تھا نہ آپ کو کچھ پیاس کا خیال   رکھ لی جو تیغ ہاتھ سے جی ہو گیا نڈھال
آئی صدائے حضرتِ محبوبِ ذوالجلال   تو صابروں کا فخر ہے اے فاطمہؑ کے لال
سمجھا تھا میں کہ اب مری امتؐ تمام ہے
یہ صبر اختیار پہ تیرا ہی کام ہے

صبر و رضا و حلم کا رتبہ دکھا دیا
دم میں ہزار طرح کا جلوہ دکھا دیا
نانا کا خلق زور پدر کا دکھا دیا
خالق کے رحم و قہر کا نقشہ دکھا دیا
باطل شقاوت و حسد و کینہ ہو گیا
ایسی جلا ہوئی کہ حق آئینہ ہو گیا

شبیر واہ کیوں نہ ہو کس کا پسر ہے تو
حقا کہ آسمان شرف کا قمر ہے تو
کھولا ہے جس کو حق نے وہ رحمت کا در ہے تو
ہیں اصل جس شجر کی ہوں اُس کا ثمر ہے تو
اُمت کے ظلم سہتا ہے نانا سے چھوٹ کر
کیا اُن کو پھل ملے گا مرا باغ لوٹ کر

کیسی ہوا جہان کی بے اعتدال ہے
سرسبز سب ہیں باغ مرا پائمال ہے
سائے سے جس نہال کے طوبیٰ نہال ہے
مرجھا گیا ہے دھوپ سے اُس کا یہ حال ہے
میں جن کی فکر میں کبھی سویا نہ چین سے
پانی اُنھیں عزیز ہے میرے حسینؑ سے

فاقوں میں جنکے واسطے باندھا شکم پہ سنگ
اُن دشمنوں نے لال کا میرے کیا یہ رنگ
کیونکر نہ ہو یہ غنچہ دہن زیست سے بہ تنگ
اک فاقہ کش نحیف سے یہ سرکشی یہ جنگ
بچپن سے میں نثار رہوں اس نور عین کے
میرا گلا بھی ساتھ کٹے گا حسینؑ کے

رو کر کہا حسینؑ نے یا سید عرب
لڑتا کبھی نہ ان سے یہ مظلوم تشنہ لب
فریاد ہے کہ مجھ کو ستایا ہے بے سبب
للہ لینے چلیے مجھے اپنے ساتھ اب
دشمن ہوا ہے سارا زمانہ غلام کا
اُمت میں اب نہیں ہے ٹھکانا غلام کا

جس دن سے آپ اٹھ گئے پایا نہ میں نے چین سب گھر تباہ ہو گیا یا شاہ مشرقین
پیری میں چھٹ گیا علی اکبر سا نور عین کب تک جہاں میں ٹھوکریں کھایا کرے حسین
پھیلا کے پاؤں خاک پہ سونا نصیب ہو
راحت ملے جو قبر کا کونا نصیب ہو

یہ کہتے تھے کہ فوجِ ستمگر پھر آگئی خیر النساء کے چاند پہ بدلی سی چھا گئی
بھائی جو گھر گیا تو بہن بلبلا گئی فریادِ فاطمہ کی فلک تک صدا گئی
یاں گھر نبی کی آل کا بے نور ہو گیا
زخموں سے واں تنِ شہِ دیں چور ہو گیا

یاں اک تنِ ضعیف اُدھر لاکھ نابکار تیروں کے زخم تیغوں کے پھل برچھیوں کے وار
سینہ شکستہ پسلیاں مجروح سر فگار کیا درد کا حساب جراحت کا کیا شمار
یوں تو دل و جگر کے بھی جانکاہ زخم تھے
تن پر ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے

حربے ہزار ہا کسے روکے کسے بچائے بے یار و آشنا کسے ڈھونڈے کسے بلائے
دکھ میں سپر ہو کون حمایت کو کون آئے کیا وقت ہے نبی کے نواسے پہ ہائے ہائے
جھکتے ہیں زیں پہ منہ سے لہو ڈال ڈال کے
گھوڑے سے غش میں کون اُتارے سنبھال کے

گھوڑے سے غش میں گاہ ادھر گہ اُدھر جھکے تیغیں چلیں جدھر کو شہ بحر و بر جھکے
سیدھے کبھی ہوئے کبھی پکڑے جگر جھکے تھامی کبھی عیال کبھی زین پر جھکے
صدمہ جو تھا بہن کے نکلنے کا شاہ کو
گردن پھرا کے دیکھتے تھے خیمہ گاہ کو

ہنگام عصر تھا کہ شہ نیک خو گرے — زخموں سے اُڑ کے قطرۂ خوں چار سو گرے
کیا سنبھلے جس کے زخموں سے سیروں لہو گرے — سجدے کا اشتیاق جو تھا قبلہ رو گرے
آنکھیں تھیں بند جلوۂ حق تھا نگاہ میں
گرتے ہی محو ہو گئے یادِ الٰہ میں

اعدا میں غل ہوا کہ ہماری ظفر ہوئی — گھوڑے سے لو حسینؑ گرے جنگ سر ہوئی
زینبؑ ردا کو پھینک کے عُریاں سر ہوئی — چلائی یوں سکینہؑ کہ میں بے پدر ہوئی
ہے ہے کوئی نہیں شہِ والا کی لاش پر
اماں بس اب چلو مرے بابا کی لاش پر

مسند پہ شہ کی لوٹتی تھی کوئی سوگوار — ہے ہے کا شور تھا کہ قیامت تھی آشکار
چلاتی تھی کوئی مرے سید ترے نثار — ڈیوڑھی پہ آ کے گر پڑے سجّادِ دلفگار
غل تھا فلک نے دفترِ دنیا الٹ دیا
فضّہ نے خیمہ گاہ کا پردا الٹ دیا

دیکھا یہ ذوالجناح کا بیبیوں نے حال — خالی ہے زین اور ہے ماتھا لہو سے لال
گردن پہ اس طرح سے ہے بکھری ہوئی ایال — جس طرح کھولتی ہے زنِ سوگوار بال
روتا ہے یوں وہ غم میں شہِ نامدار کے
جیسے پسر کو روتی ہے ماں ڈھاڑیں مار کے

دنیا نظر میں بی بیوں کے ہو گئی سیاہ — سمجھے یہ سب کہ قتل ہوا فاطمہؑ کا ماہ
عابد پکارے ہائے غضب گھر ہوا تباہ — چلائی بنت فاطمہؑ اے ذوالجناح شاہ
تنہا سوار دوش پیمبر کو کیا کیا
ہے ہے مرے غریب برادر کو کیا کیا

زیں سے ترے رسولؐ کا پیارا کہاں گرا — وہ دن کی بھوک پیاس کا مارا کہاں گرا
وہ عرش کبریا کا ستارا کہاں گرا — آقا ترا امام ہمارا کہاں گرا
سایہ ہے کچھ کہ لاش ہے جلتی زمین پر
لختے یہ کس کے خون کے ہیں تیرے زین پر

سر خاک پر پٹک کے پکارا وہ راہوار — سیدانیوں بچھڑ گیا مجھ سے مرا سوار
جلدی اتار لو یہ تبرک یہ ذوالفقار — کٹتا ہے واں گلوئے شہنشاہ نامدار
زہرا قریب لاش پسر خاک اڑاتی ہے
خیمہ میں جاؤ لوٹنے کو فوج آتی ہے

راوی رقم یہ کرتا ہے احوال رزم گاہ — دن ہوگا تین چار گھڑی وقت قتل شاہ
خنجر ادھر تو شمر نے رکھا گلے پہ آہ — آندھی اٹھی کہ سارا جہاں ہو گیا سیاہ
زانو دھرا جو سینے پہ ایذا سوا ہوئی
غل تھا کہ لو قیامت کبریٰ بپا ہوئی

تھا غش میں قبلہ رو وہ دو عالم کا مقتدا — سجدہ بھی اس علی کو نہ کرنے دیا ادا
گردن پہ تیغ اور لبوں پر یہ تھی دعا — واجعفراہ وا ابتاہ وا محمداہ
صدمے ہوئے رگوں پہ جو خنجر کی دھار کے
چپ ہو گئے نبیؐ و علیؑ کو پکار کے

اس حشر میں خیام کی جانب جو کی نظر — دیکھا وہ سانحہ کہ نہ دیکھے کوئی بشر
نکلی حرم سے ایک ضعیفہ برہنہ سر — چہرہ تو آفتاب سا اور کان ہیں گہر
چادر نہ اضطراب میں تھی فرق پاک پر
تھا اک سرا تو دوش پہ اور ایک خاک پر

چلاتی تھی ارے کوئی رستہ مجھے بتائے — کچھ سوجھتا نہیں یہ ضعیفہ کدھر کو جائے
اکبرؑ کہاں ہے ہاتھ مرا تھامنے کو آئے — بھائی سے چھوٹتی ہے بہن ہائے ہائے ہائے
مہماں کیا تھا بادشہِ مشرقین کو
اے کربلا تجھی سے میں لوں گی حسینؑ کو

اے نہر پیاس سے مرا بھائی ہے بیقرار — اے دشت گرد میں نہ بھرے شہ کا جسم زار
اے نینوا حسینؑ کے لاشے سے ہوشیار — اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار
اے طائرو نہ دھوپ ہو بھائی کی لاش پر
سایہ کرو پروں کا تنِ پاش پاش پر

طے کر چکی تھی نصف مسافت وہ سوگوار — آئی صدائے حضرتِ خاتونِ روزگار
بیٹی ملے گا اب نہ محمدؐ کا گلعذار — پھر جا خدا کے واسطے پھر جا ترے نثار
تن سے جدا سرِ پسرِ فاطمہؑ ہوا
اب آ کے کیا کرے گی یہاں خاتمہ ہوا

گھبرا کے اُس نے جانبِ مقتل جو کی نظر — دیکھا اک آفتاب ہے نیزے پہ جلوہ گر
لڑکی جو ساتھ تھی وہ پکاری یہ پیٹ کر — میں لُٹ گئی پھوپھی مرے بابا کا ہے یہ سر
زلفیں لہو بھری ہوئی رُخ پر لٹکتی ہیں
ہے ہے رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں

خاموش اے انیسؔ جگر ہو گیا دو نیم — کام آئے گی یہ مدح بروزِ امید و بیم
عسرت کا غم نہ کھا کہ ہے آقا ترا کریم — اب یاں سے جا بروضۂ سرورؑ میں ہو مقیم
حاصل حضوریِ شہِ گردوں اساس ہو
ہے وہ غلامِ خاص جو آقا کے پاس ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

مرثیہ

در حال حضرت سید الشہدا علیہ السلام

رطب اللساں ہوں مدحِ شہ خاص و عام میں

(بند ۱۵۸)

رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں
ہے سر بسر حدیث حسن اس کلام میں
لب ہیں خموش پہ ہے زباں اپنے کام میں
گویا کہ ذوالفقار علیؑ ہے نیام میں
دعویٰ نہیں غنسرو زباں آوری نہیں
جوہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں

ہر جا ہے مالک نظم میں نظم و نسق مرا
کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا
ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا
برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہوئے سبق مرا
پائی نہیں کبھی یہ حلاوت نبات میں
مضمون نوٹپک رہے ہیں بات بات میں

فوج سخن میں شقہ کشا ہے علم مرا
پڑتا ہے سب سے مدح میں بڑھ کر قدم مرا
ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں دمبدم مرا
ہے معرکہ میں رستم دستاں قلم مرا
نقشہ جو کھینچنا ہے صف کارزار کا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا

ہے گوہرِ محیطِ فصاحت سخن مرا گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا
ہے مدح خوانیِ گلِ زہراؑ چلن مرا محفوظ ہے خزاں سے جہاں میں چمن مرا
بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سنے نہیں
دامن میں ہے وہ گل جو کسی نے چنے نہیں

مقبول ہے کلام فصاحت نشاں مرا ہے بادشاہِ کون و مکاں قدرداں مرا
شہرہ زمیں سے کیوں نہ ہو تا آسماں مرا بلبل وہ ہوں کہ عرش پہ ہے آشیاں مرا
مداحیِ حسینؑ سے حسنِ قبول ہے
یہ رتبۂ غلامیِ آلِ رسولؐ ہے

ہاں اے کمیتِ خامۂ شکیں طراز بس یہ شوخیاں یہ چالاکی و ترک و تاز بس
اے شہ سوار طبعِ فصاحت نواز بس اے یکہ تازِ وسعتِ عجز و نیاز بس
جاتا ہے کیوں فلک پہ طرارے کیے ہوئے
آداب کا مقام ہے باگیں لیے ہوئے

نورِ خدا کی مدح بشر کی ہے کیا مجال پہونچا کبھی نہ خیل ملک کا جہاں خیال
اوصافِ آل میں فصحا کی زباں ہے لال ناقص کو ہاں اگر وہی چاہے تو دے کمال
برسوں لکھیں تو وصفِ ائمہ بیاں نہ ہو
ہر موئے تن زباں ہو تو شمہ بیاں نہ ہو

کیونکر بیاں ہو شوکت و شانِ پیمبری عاجز ہیں یاں فرزدق و حسانِ خیبری
طاقت ہے یہ کسے جو لکھے زورِ حیدری دوڑے کمیتِ خامہ تو کھائے سکندری
قرآں میں جن کا وصف مقرر خدا کرے
کس کی زباں سے پھر بشر اُن کی ثنا کرے

قصرِ ثنائے آلِ محمدؐ بہت ہے دُور کرتا ہے دم ہیں ذہنِ رسا سو جگہ قصور
بس اے زباں یہ چرب زبانی ہے کیا ضرور ہے بے نیاز ذہن و تصاری سے شمع طور
بے مثل و بے نظیر ہیں اور بے عدیل ہیں
کافی ہے یہ کہ نورِ خدائے جلیل ہیں

کیا وصف کر سکے کوئی تاب بیاں کہاں طاہر ہو سلسبیل سے ایسی زباں کہاں
ذرہ کہاں وہ مہرِ تجلی نشاں کہاں نسبت ہے کیا زمین کہاں آسماں کہاں
حقا کہ پنجتنؑ کے شرف بے قیاس ہیں
پانچوں حواس آپ یہاں بے حواس ہیں

بینا ہوئی جو چشم تو نورِ خدا کہا عقدہ کھلا تو عقل نے مشکل کشا کہا
مطلب ہوا حصول تو حاجت روا کہا پایا دُرِ مراد تو بحرِ سخا کہا
ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہا دیئے
کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملا دیئے

یوسفؑ کے حسن سے انھیں گر دیجئے مثال وہ ماہتاب اور یہ خورشید بے زوال
سر سبز ہر طرح ہے رسولؐ خدا کی آل ہے شہرۂ ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
یوسفؑ سا مہ لقا کوئی زیرِ فلک نہ تھا
پر کیا مزا جو حسن میں اُن کے نمک نہ تھا

باقی رہی بس اب پئے تشبیہ مہر و ماہ رُخ ایک کا ہے زرد تو دل ایک کا سیاہ
لغزش یہاں خطا ہے تعلّی ہے یاں گناہ ہشیار اے قدم کہ دمِ تیغ یہ ہے راہ
کیا کیا کہا نہ جائے گا کیا کیا نہ کہہ گئے
سالک ہزارہا اسی منزل میں رہ گئے

غافل نہ ہو درود سے ہاں اے زبانِ پاک — دکھلادے فیضِ چشمۂ کوثر دہانِ پاک
قربان ہے جانِ احمدِ مرسلؐ پہ جانِ پاک — جھکتا ہے عرش دیکھ کے وہ آستانِ پاک
کاٹیں زباں کو لوح پہ گر بے محل چلے
سجدے کی جا ہے کیوں نہ قلم سر کے بل چلے

شبیرؑ سا جہاں میں نہیں دُرِّ شاہوار — نانا محمدؐ عربی فخرِ روزگار
بابا سرِ جہاں کے لیے تاجِ افتخار — مادر جنابِ فاطمہؑ زہرائے ذی وقار
نکلا یہ نور، نورِ رسالت مآبؐ سے
جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے

آئینۂ جلالتِ محبوبِ ذوالجلال — تصویرِ شوکتِ اسدِ حق دمِ جدال
خُلقِ حسنؑ تو عظمتِ زہرائے خوش خصال — کیا گل تھا جس سے باغِ دو عالم ہوا نہال
دنیا ہو یا بہشت ہو فیض ان کا عام ہے
طوبیٰ اسی نہال کے سایہ کا نام ہے

ممکن نہیں ہے مثل ترا اے سپہرِ جود — ہے شکل ممتنع قسمِ واجب الوجود
کیا امرِ صدق میں ہے بھلا حاجتِ شہود — ایسے بشر کی مدح کرے کیا بجز درود
دُشوار ہے مثال درِ بے مثال کی
ساحل تلک نہ پہنچے گی کشتی خیال کی

کہف الوریٰ امامِ اُمم معدنِ الشفا — مصباحِ دیں سراجِ مُبیں ہادیِ الہدیٰ
فیاضِ آبِ کوثر و ساقیِ اولیا — نورِ خدا امینِ خدا حجتِ خدا
اُلفت میں بلبلوں کے جگر داغ داغ ہیں
آٹھوں بہشت تیری محبت کے باغ ہیں

قربان تیرے نام کے اے وارث خلیل ؑ صدقے ترے جلال کے اے سید جلیل
حاجت روائے فطرس و مولائے جبرئیل ؑ ہے ملتجی حضور سے یہ بندۂ ذلیل
مولا قسم ہے آپ کو خیر الانام کی
لیجیے گا قبر میں خبر آکر غلام کی

اندیشۂ فشار ہے ضغطے میں ہے یہ حال نکلے دماغ پاؤں کے ناخن سے الاماں
سختی سے آشنا نہیں اب تک یہ استخواں آقا بچائیے گا مرا جسم ناتواں
ہو گی اگر زباں کو طاقت کلام کی
چلاؤں گا میں خود کہ دہائی امام کی

عطر گل حدیقۂ ایماں حسین ؑ ہے تازہ ہے جس سے روح وہ ریحاں حسین ؑ ہے
زانو نبی ؐ کا رحل تو قرآں حسین ؑ ہے پانی ملا نہ جس کو وہ مہماں حسین ؑ ہے
تھا جس گلے کا نور فزوں ماہتاب سے
وہ خشک حلق تر ہوا خنجر کی آب سے

سید کی کون سی تھی خطا کیا گناہ آہ دو لاکھ اہل ظلم اور اک بے سپاہ آہ
شمشیر و بوسہ گاہ رسالت پناہ آہ زانوئے شمر سینۂ شبیرؑ آہ آہ
صحرائے کربلا میں ہوا کیا بری چلی
فاقہ تھا تیسرا کہ گلے پر چھری چلی

عاشور کو جو لٹنے لگا فاطمہ کا باغ تاریک ہو گئے کئی گھر گل ہوا چراغ
جان علی ؑ کو سوز الم سے نہ تھا فراغ دل لخت لخت تھا تو کلیجا تھا داغ داغ
ہوتا تھا جو نثار قدم پر امام ؑ کے
رہ جاتے تھے حسین ؑ کلیجے کو تھام کے

یعقوبؑ سے چھپا تھا جو پیری میں ایک لال — مشہور ہے فراق میں جو کچھ ہوا تھا حال
یاں دوپہر میں ہو گیا سب باغ پائمال — تیغوں سے کٹ گیا علی اکبر سا نونہال
شکوہ نہ بخت کا نہ فلک کا گلا کیا
لاشہ پسر کا دیکھ کے شکرِ خدا کیا

۱۲ سولہ پہر حسینؑ کو گزرے جو پیاس میں — طاقت نہ تھی کلام کی اُس حق شناس میں
شکرِ خدا تھا لب پہ اُس اندوہ و یاس میں — اللہ رے صبر فرق نہ تھا کچھ حواس میں
سب گھر لُٹا دیا تھا فقط اپنی بات پر
مولا نثار تیرے قدم کے ثبات پر

ایوبؑ نے سُنا بھی نہ ہوگا کبھی یہ صبر — اک جان لاکھ درد تھے اک دل ہزار جبر
تڑپے نہ مثلِ برق نہ روئے مثالِ ابر — غربت میں اپنے ہاتھوں سے کھودی پسر کی قبر
دیکھا جو مُنہ سے دودھ اُگلتے صغیر کو
اپنے جگر سے کھینچ لیا آپ تیر کو

اُمت نے کی نبیؐ کے نواسے کی کچھ نہ قدر — بارانِ ظلم تیر کہاں اور کہاں وہ صدر
آشوب ایسا چشم نے دیکھا کبھی نہ غدر — بدلی میں فوجِ شام کی تھا فاطمہؑ کا بدر
بارانِ تیرِ کیں سے ہوا تھی بھری ہوئی
تھی چار سمت دشت میں بدلی گھری ہوئی

وہ فوج وہ سیاہی صحرائے لق و دق — گرمی وہ روزِ جنگ کی وہ پیاس کا قلق
زخموں میں تھا مرقعِ زہراؑ کا ہر ورق — کوئی نہ تھا حسینؑ کے سر پر سوائے حق
تھا سب یہ اوج دوشِ نبیؐ کے سوار کو
تولے ہوئے تھے مثلِ علیؑ ذوالفقار کو

معلوم کچھ نہ ہوتی تھی سولہ پہر کی پیاس شوکت وہی تھی اور وہی تیور وہی حواس
شیروں کو وقت مرگ بھی ہوتا نہیں ہراس کیا رعب سے بھری ہوئی تھی چشم حق شناس
ابرو کرم کو دیکھ کے تیغیں بھی کٹ گئیں
پتلی ادھر ہلی کہ صفیں واں الٹ گئیں

تھا غیظ سے جو چہرۂ اقدس کا رنگ لال غل تھا کہ سرخ روز ازل سے ہے رنگ آل
اللہ رے جوش جرأت سرور دم جدال بل کھا رہے ہیں دوش پہ زلف رسا کے بال
بجلی جو کوند جاتی ہے چہرے کے نور سے
حوریں نثار ہوتی ہیں ہنس ہنس کے دور سے

مژگاں کی صف دراز وہ اور ابروؤں کے خم بانکیں بھی ہاتھ تیغ پہ رکھتی تھیں دمبدم
مردم سے تھا اشارۂ چشم شہ امم محبوب کردگار کے ہیں نور عین ہم
روشن تھا رخ سواد خط مشکبار میں
تھا فرق بال بھر کا حلب اور تتار میں

جنات عدن ہے رخ شاہنشہ زمن ہے سلسبیل چشم تو کوثر ہے یہ دہن
وہ لعل لب کہ بات میں دیں حاصل یمن دنداں وہ جن کے سامنے ادنیٰ در عدن
کیا ذکر رخ کا اور خط عنبر سرشت کا
پہلو ملا ہوا ہے نجف سے بہشت کا!

ریش سیاہ و روئے دل آرام ایک جا قدرت خدا کی ہے سحر و شام ایک جا
ہیں موسی و مسیح خوش انجام ایک جا رکن و مقام و کعبہ و اسلام ایک جا
لاریب فیہ مصحف ناطق کے جائے ہیں
رخسار پاک ہاتھوں پہ قرآں اٹھائے ہیں

گوہر نثار اخترِ دنداں کے نور پر — ہنستی ہے صاف جن کی چمک برقِ طور پر
صدقے ہزار جاں لبِ پاکِ حضور پر — گویا دھرے ہیں لعل یمن دستِ حور پر
راحت نے جن لبوں کو جواہر تبسم کیا
اُس لعل لب پہ سنگ لگائے ستم کیا

جو تازگی میں ہوں گُلِ تر سے زیادہ تر — واحسرتا وہ پانی کو ترسیں کئی پہر
اپنی زباں چُبائیں جسے سید البشر — وہ لعل لب کریں حدفِ تیرِ بد گُہر
دریا پہ تشنہ کام شرِ نیک خو رہی
پانی کی بچھر جہان میں خاک آبرو رہی

الماس میں کہاں دُرِ دنداں کے برق و شرق — تاروں میں اور ان میں زمیں آسماں کا فرق
خود آبِ شرم میں گُہرِ بے بہا ہیں غرق — ضو ہے کہ بات بات میں یاں کوندتی ہے برق
لب مُسکرا کے گوہرِ یکتا دکھاتے ہیں
ثمرن دُرِ نجف کی مسیحا دکھاتے ہیں

تا آسماں ہے چہرۂ شاہِ اُمم کا نُور — کونین میں مُحیط ہے بحرِ کرم کا نُور
سرتاج آسمان و زمیں ہے قدم کا نُور — دیکھا ہے یہ کسی نے کبھی ایک دم کا نُور
عکسِ رُخِ جناب سے سب فیض یاب ہیں
ذرّے چمک کے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں

کعبہ ہے رُوئے اقدس فرزندِ بوتراب — ہیں ہفت شوطِ بخشنی کو یہاں ثواب
کس آئینہ میں ہے یہ صفائی یہ آب و تاب — طاقِ حرم ہے ابروئے شاہِ فلک جناب
پہلے ثنائے چاہِ ذقن کو رقم کریں
زمزم سے غسل کر کے طوافِ حرم کریں

معراجِ مصطفےٰ کی ہے شبِ زلفِ عنبریں ہے صبحِ عید پرتوِ آئینۂ جبیں
سجدے کے بھی نشاں پہ ستارے کا ہے یقیں صادق ہمیں ہیں صبح کے ہونے میں شک نہیں
ابرو بھی ہیں جھکے ہوئے راز و نیاز میں
بیتاب دو رکعتیں ہیں سحر کی نماز میں

رکتا ہے دم گلے کی ثنا کیا کروں میں آہ نورِ بیاضِ حسنِ محمدؐ کی بوسہ گاہ
سردارِ خلق شمعِ شبستانِ عز و جاہ تھا جس کی روشنی سے خجل نورِ مہر و ماہ
خنجر سے وہ گلوئے مبارک جو کٹ گیا
حیرت ہے کیوں ورق نہ زمیں کا الٹ گیا

وہ دوش ہیں شفاعتِ امت کا جن پہ بار بازوئے بابِ دیں ہیں یہ بازوئے استوار
گوری کلائیوں کی صفائی کے میں نثار فانوسِ آستیں سے تجلی ہے آشکار
پہونچا خیال بات خفی تھی جلی ہوئی
سانچے میں نور کے ہیں یہ شمعیں ڈھلی ہوئی

ہاتھوں کو یاد آیا ہے زورِ ید آلہی خندق میں جوئے خوں انھیں ہاتھوں سے ہے بہی
ہر چند بازوؤں میں وہ طاقت نہیں رہی خیبر سا اور کوئی ہوئے تو پھر سہی
فتح و ظفر کو بیچ کے سر مول لیتے ہیں
ناخن ہوں یا نہ ہوں یہ گرہ کھول دیتے ہیں

قرآں ہے سینۂ خلفِ سیدِ انام صندوقِ علم صبر کا گھر عدل کا مقام
قرآنِ حق ہے اس کی بزرگی میں کیا کلام لازم ہے سب کو مصحفِ ایماں کا احترام
دل اس طرح ہے سینۂ شاہِ شہید میں
یٰسین جس طرح ہے کلامِ مجید میں

انصاف کا مقام ہے اے چرخ بے مدار
وہ صدر پاک ظلم کے تیروں سے ہو فگار
محبوب کبریا کا دل اور برچھیوں کے وار
سینہ خدا کے نور کا اور پائے چکمہ دار
گرمی میں ماں بچائے جسے تن کی بھاپ سے
وہ پسلیاں شکستہ ہوں گھوڑوں کی ٹاپ سے

زہرا قمیص نرم پنہائے بصد تلاش
تا پھول سے بدن کو نہ پہنچے کہیں خراش
تیغوں کے پھل سے اس کا بدن ہو پاش پاش
تا اربعین پڑی رہے جنگل میں اس کی لاش
گردن جو قبلہ رو تھی رہ بے نیاز میں
ظاہر یہ تھا کہ ذبح ہوئے ہیں نماز میں

بے وارثوں کے مُردے تو قبریں جہاں میں پائیں
اور لاش حسین درندوں میں چھوڑ جائیں
وہ دشت ہولناک جو کرتا تھا سائیں سائیں
آفت تھی پھر حفاظ جو شیر خدا نہ آئیں
سایہ کسی طرح کا بجز آسماں نہ تھا
سید کی لاش کا بھی کوئی پاسباں نہ تھا

ٹوٹا ہوا ہے بار الم سے کمر کا بند
خم ہے بصورت مہ نو قامت بلند
پیش نظر ہے لاش فرزند ارجمند
صدمہ جگر پہ تن پہ تعب روح پر گزند
کیا غم نہیں ہے کون سا رنج و الم نہیں
صدمے یہ ہیں یہ کہ حد سے باہر قدم نہیں

جب رن میں فوج شام کے کالے علم بڑھے
تیغوں کو تول تول کے اہل ستم بڑھے
فرما کے یہ ادھر سے امام امم بڑھے
اے سرکشان شام خبردار ہم بڑھے
قوت تمہیں دکھاتے ہیں جسم نزار کی
لو کوندتی ہے برق غضب ذوالفقار کی

ہے جوش بحر قہر الٰہی مرا غضب — تھم لاکھ اہل ظلم ہوں ہیں ایک تشنہ لب
ہاں نیزہ بازو جنگ میں تاخیر کیوں ہے اب — ہاں اے کماں کشو مجھے روکو تو مل کے سب
نوکوں سے برچھیوں کی مجھے روکتے نہیں
شیر خدا کے شیر کو اب ٹوکتے نہیں

میں شیر بیشۂ اسد کردگار ہوں — زیر نگیں زمانہ ہے وہ نامدار ہوں
جس کے فرس رسولؐ تھے وہ شہسوار ہوں — بیٹا ابو ترابؑ کا ہوں خاکسار ہوں
ایک بندۂ حقیر ہوں رب غفور کا
مُنھ سے کبھی نہ نکلے گا کلمہ غرور کا

ہر چند جزو کل پہ مرا اختیار ہے — پیاسا جو ہوں یہ مصلحت کردگار ہے
دنیا ہے بے وفا تو فلک بے مدار ہے — مثل حباب زیست کا کیا اعتبار ہے
عرصہ فقط ہے چند نفس کا اسیر ہوں
اکبر سا نوجواں نہ رہا میں تو پیر ہوں

عباسؑ نامدار کے مرنے کے تھے نہ دن — اُنتیسواں[۲۹] برس تو کچھ ایسا نہیں ہے سن
روئیں گے نامرادی قاسمؑ پہ انس و جن — یکساں ہے آگے موت کے بچہ ہو یا مُسن
آباد گھر جہاں میں کوئی یوں لٹا نہیں
اصغر کو دیکھو دودھ بھی جس کا چھٹا نہیں

چھپن برس میں رنگ نظر آ گئے ہزار — دیکھی کبھی چمن میں خزاں اور کبھی بہار
جس فصل میں کہ جیتے تھے محبوب کردگار — اُلجھا کبھی نہ دامن خاطر سے کوئی خار
کھیتی سب ان کی مرتے ہی بے غور ہو گئی
رنگ اُڑ گیا گلوں کا ہوا اور ہو گئی

پامال تھے جو خار وہ سر کھینچنے لگے ‏ باغی ستم کے باغ کا زر کھینچنے لگے
ایذائے رسولؐ کے گل تر کھینچنے لگے ‏ تلواریں ہم پہ بانیٔ شر کھینچنے لگے
چھوٹا کیا پسر کو جناب بتولؑ کے
نافہم خود غلط ہوئے قرآں کو بھول کے

اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہراؑ تھا خوابگاہ ‏ تکیہ تھا سر کا بازوئے پیغمبر الٰہ
وہ پیار والدین کا وہ بھائیوں کی چاہ ‏ اک دن وہ ہے کہ کوئی نہیں سرپرست آہ
ماتم کا یوں تو گھر میں صدا شور و شین تھا
ایسا کبھی نہ بیکس و تنہا حسینؑ تھا

بڑھ کر پکارا شمر کہ یاور کدھر گئے ‏ بیدل ہیں آپ کیوں وہ دلاور کدھر گئے
عباسؑ کیا ہوئے علی اکبرؑ کدھر گئے ‏ اے فاطمہؑ کے لال وہ گوہر کدھر گئے
جویا پسر کا صورتِ یعقوبؑ کون ہے
غلبہ ہے کس کی فوج کا مغلوب کون ہے

تھا روم و شام جن کی زبردستیوں سے زیر ‏ اب آپ کی مدد کو نہیں آتے وہ دلیر
اس دشت کیں میں گونجتے تھے جو مثال شیر ‏ شاید انھیں کے لاشوں کے ہیں خاک پر ڈھیر
سر سب کے پاش پاش ہیں تن ریزہ ریزہ ہیں
تلواریں کیا یزید کے لشکر کی تیز ہیں

دیکھو تو کس کے سینے میں برچھی کا ہے یہ پھل ‏ اٹھارویں برس میں کسے کھا گئی اجل
دولہ کے خواب کرنے کا تھا کیا یہی محل ‏ دریا پہ کس کی لاش پڑی ہے وہ منھ کے بل
محتاج بعد مرگ جو گور و کفن کے ہیں
کس نخل کے ثمر ہیں یہ گل کس چمن کے ہیں

شہ نے کہا یہ سب مرے گلشن کے پھول ہیں کیونکر نہ سرخرو ہوں کہ آلِ رسولؐ ہیں
کرسی ہے پست ان کو وہ رتبے حصول ہیں تن پر جو سر نہیں تو یہ نذرِ قبول ہیں
قدسی درود بھیجتے ہیں ان کی شان پر
تن ان کے ہیں زمیں پہ سر آسمان پر

سالک جو ہیں وہ راہ رضا بھولتے نہیں جو دوست ہیں ولی کی ولا بھولتے نہیں
محسن کو اپنے اہل وفا بھولتے نہیں ہم لوگ مر کے یاد خدا بھولتے نہیں
تن خاک ہو تو اُس میں بھی اُلفت کی بو رہے
نیزے پہ سر چڑھاؤ تو مُنھ قبلہ رو رہے

کیونکر نہ یہ کلام کرے تو ہوا پہ ہے جو ہو سو ہو حسینؑ تو راضی رضا پہ ہے
مسند پہ ناز ہے نہ شرف متکا پہ ہے ہر حال میں فقیر کا تکیہ خدا پہ ہے
مٹی ہو یا کہ خس ہو تن پاک کے تلے
اللہ آبرو کو رکھے خاک کے تلے

برچھی کا سینۂ علی اکبر میں پھل ہے گر ظالم یہی تو باغ شہادت کا ہے ثمر
ہر بار یہ دعا تھی کہ پھولے پھلے شجر بابا نہال ہے کہ برومند ہے پسر
کیا کیا گلِ مراد مرے ہاتھ آئے ہیں
باغ جہاں میں آ کے یہ پھل کس نے پائے ہیں

قائم اگر نہیں تو نہیں مجھ کو کیا ہراس بس سُن چکا کہ مر گئے عباسؑ حق شناس
رونے کی وجہ کیا جو ہوئی بھانجوں سے یاس ہیں کون جن کے عہد تھے پہونچے انھیں کے پاس
کچھ دن جو میرے پاس رہے مُستعار تھے
یہ لعل سب امانت پروردگار تھے

لاکھوں سے یہ ہزبر جو تنہا لڑے لڑے
تیغوں کے پھل جو پھول سے تن پر پڑے پڑے
ہوتے ہیں غازیوں کے ارادے بڑے بڑے
چاہیں تو روم و شام کو لے لیں کھڑے کھڑے
بالائے دوش ڈھال تھی قبضہ پہ ہاتھ تھا
خیبر میں کون شیرِ الٰہی کے ساتھ تھا

شہروں میں جنگِ بدر کا شہرہ ہے آج تک
مثلِ ہلال تیغ کی تھی جا بجا چمک
بالائے عرش نادِ علی پڑھتے تھے ملک
خندق میں کس نے کی اسد اللہ کی کمک
زورِ خدا تھا دستِ وصیِ رسولؐ میں!
دو کر دیا تھا عمرو کے قامت کو طول میں

کیوں غزوۂ حنین میں بھاگے تھے تم کہ ہم
سرکش اُدھر کے پس گئے تھے زیرِ سُم کہ ہم
تم کوہ میں چھپے تھے بروز دہم کہ ہم
دہشت سے اُس طرف کے دلاور تھے گُم کہ ہم
بجلی سی تیغ کوندتی تھی کس جوان کی
آتی تھی کس طرف سے صدا الاماں کی

تھا لیلۃ الحریر میں اک جا تمام شہر
بڑھتی تھیں یوں صفیں کہ سمندر میں جیسے لہر
چمکی جو ذوالفقار تو آیا خدا کا قہر
کیا جنگ نہرواں میں بہائی ہے خوں کی نہر
کیوں وہ فراریوں کی دوہائی بھی یاد ہے
صفینؔ میں صفوں کی صفائی بھی یاد ہے

بیر العلم کی آگ کا روشن ہے سب یہ حال
دو شخص جل کے رہ گئے تھے صورتِ غزال
اُس چاہ پر تھمے نہ یہ رستم کی تھی مجال
جاتے ہی آگ میں کود پڑے شیرِ ذوالجلال
لشکر جنوں کا خوف سے بے تاب ہو گیا
دہشت سے آگ کا بھی جگر آب ہو گیا

تاباں جنوں پہ تیغ امام غنی رہی
زیر زمیں بھی شیر کی چھاتی تنی رہی
اندھیر ہو گیا وہیں یاں روشنی رہی
ڈر سے جنوں کی جان پہ کیا کیا بنی رہی
زہرے ہوئے جو آب تو ایماں کی چاہ کی
آنے لگی کنوئیں سے صدا لا الٰہ کی

ایماں جنوں نے حب دل و جاں کیا قبول
طالب تھے آپ جن کے وہ باتیں ہوئیں حصول
گزرے جو تین روز نبیؐ تھے بہت ملول
سُن کر صدا علیؑ کی خوشی ہو گئے رسولؐ
باہر کنوئیں کے آئے عجب عز و جاہ سے
غُل تھا کہ نکلے یوسفؑ صدیق چاہ سے

تھی دشت دشت فخر سلیماں جنوں کی دھوم
لشکر میں مصطفیٰؐ کے خوشی تھی علی العموم
خالی ہوئی جنوں کے جو سر سے وہ مرز و بوم
بالائے چاہ جانوروں نے کیا ہجوم
شعلے رہے نہ سانپ نہ وہ اژدہے رہے
دو تین روز چاہ پہ کیا چہچہے رہے

تیغیں بنی امیہ کی ہیں خاک آبدار
جل جاؤ گے گرے گی اگر برق ذوالفقار
پھل اس کا آگ ہے تو زباں ہیں شعلہ بار
دھارا ہے قلزم غضب حق کا اس کی دھار
دم بھر پناہ گھاٹ سے اس کے نہ پاؤ گے
طوفان خوں اُٹھے گا کہ سب ڈوب جاؤ گے

میں نور چشم فاتح ذات الرفاع ہوں
بابا مرا رفیع ہے عرش ارتفاع ہوں
کرار ہوں، سخی ہوں ولی ہوں شجاع ہوں
حیدر ہیں آفتاب تو میں بھی شعاع ہوں
دُوری میں بھی ہم اپنے خدا کے حضور ہیں
سمجھو نہ پنجتنؑ کو جُدا ایک نور ہیں

سر خفی حق انھیں بندوں پہ ہے جلی | محبوب ہے خدا کا کوئی اور کوئی ولی
فاطر سے فاطمہ ہے تو اعلیٰ سے ہے علیؑ | محسن سے ہے حسنؑ یہ شرافت ہے منجلی
ایک ایک ان میں تاج سر مشرقین ہے
احسان سے جہان میں نام حسینؑ ہے

زیور جو عرش کا ہے ہمارے ہی نام ہیں | ساقی حوض قاسم دار السلام ہیں
حوریں جو لونڈیاں ہیں تو غلماں غلام ہیں | احمدؐ کے جانشیں ہیں اُمم کے امام ہیں
زینت ہیں آسمان کی رونق زمین کی
دنیا کی آبرو ہیں تو عزت ہیں دین کی

ناگاہ ابن سعد پکارا کہ صف درو ! | ہاں نور چشم شیر خدا سے وغا کرو
خوں میں علیؑ کے لال کو سر تا قدم بھرو | کم رہ گیا ہے دن بہت اب اے دلاورو
نکلو تنوں پہ زیور جنگی سنوار کے
پڑھیو نماز عصر کی سیّد کو مار کے

تن سے جدا کرو پسر فاطمہؑ کا سر | پھر تم کو لوٹنا ہے رسولؐ خدا کا گھر
ڈھالوں میں بھر کے لائیو لعل و زر و گہر | ایسا نہ ہو کہ رات کو سرکا دیں مال و زر
قیدی ہوں اہلبیتؑ شہ مشرقین کے
دولت کئی گھروں کی ہے گھر میں حسینؑ کے

ہے آرزو حکومت رے کی مجھے کمال | حصہ وہ فوج کا ہے ملے جو متاع و مال
ہے تب جلال فتح ہو جب فاطمہؑ کا لال | دیکھوں کہ ہیں کھلے ہوئے زینبؑ کے سر کے بال
اس طرح گھر تباہ رسولؐ خدا کا ہو
سیدانیوں کے منھ پہ نہ پردہ ردا کا ہو

پہونچے گی شہر شام میں جب آل طاہرہ ہو جائے گا سپاہ کا دونا مشاہرہ
مرتد نے کیں یہ مکر کی باتیں جو ظاہرہ دریا سے مثل موج بڑھی فوج قاہرہ
گیتی ہجوم فوج سے جنبش میں آ گئی
کالی گھٹا سپاہ کی جنگل میں چھا گئی

چلّوں سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ منھ ترکشوں نے کھول دیے صورت نہنگ
خنجر رکھے کمر میں دو دھارے چڑھا کے سنگ برچھے ہلا کے فوج نے جولاں کیے سرنگ
سرہنگ شام گرز گراں تولنے لگے
بڑھ بڑھ کے بیرقوں کو عدو کھولنے لگے

کالے علم نشان سیہ کاری سپاہ گویا زمیں کے سینے سے اٹھتا تھا دود آہ
تھا نالۂ نفیر کہ بیکس کو دو پناہ شہنا کی یہ صدا تھی کہ سید ہے بے گناہ
سن کر دہل کا شور کلیجے دہلتے تھے
تھرا کے جھانجھ بھی کف افسوس ملتے تھے

وہ غول مصریوں کے وہ دل شام و روم کے آندھی سیہ اٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تنہا حسینؑ بیچ میں تھے اس ہجوم کے تلوار لی نیام سے قبضے کو چوم کے
اٹھا سخی کا ہاتھ یداللہ کی شان سے
نکلا ہمائے اوج شرف آسمان سے

باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بیقرار
یا کینچلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار یا آستیں سے ید بیضا تھا آشکار
نکلی عروس فتح محافہ جدا ہوا
یا نامۂ ظفر سے لفافہ جدا ہوا

کاٹھی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر — حجلہ تھا یا نقاب رخ لیلیٰ ظفر
گھونگھٹ اٹھا کے برق سی چمکی ادھر ادھر — گویا دلھن حجاب سے نکلی جھکا کے سر
دکھلائی سب کو منھ کی صفائی لڑائی میں
جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں

قبضہ وہ جس کی ضرب سے اللہ کی پناہ — نابیں وہ دمبدم جو دکھائیں عدم کی راہ
باڑھ ایسی جس کی باڑھ سے کشتی تن تباہ — وہ تیز منھ کہ کوہ کو کھا جائے مثل کاہ
جوہر یہ ہیں کہ تیغ شہ لافتا کی ہے
تمغہ یہ اس کا ہے کہ عنایت خدا کی ہے

ہر معرکہ میں یاور مشکلکشا رہی — سید سے کربلا میں نہ دم بھر جدا رہی
جو اس کی ابتدا تھی وہی انتہا رہی — عاشق رہی حیدر پہ پیمبر پہ فدا رہی
یکتا تھی ذوالفقار یہ قطعی دلیل ہے
جو تیغ دونوں باگیں کسے وہ اصیل ہے

نکلی وہ جانگداز عجب برق و زرق سے — صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے
چشمک یہ دمبدم تھی ہر اک اہل شرق سے — آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے
عدو پہ قہر حضرت پروردگار ہوں
طوفاں اٹھے گا گھاٹ سے میں ذوالفقار ہوں

سیف خدا ہے نام ہے دست اجل مرا — نشتر ہوں مرگ کا رگ جاں ہے محل مرا
گلزار فتح میں ہے ازل سے عمل مرا — جس کو نہ اعتبار ہو چکھے وہ پھل مرا
دونوں مزے ہیں مجھ میں کہ رحمت ہوں قہر ہوں
امرت ہوں دوست کے لیے دشمن کو زہر ہوں

بُت میں نے ایک ضرب میں توڑے ہیں دیر کے — شہرے ہیں شہر شہر مرے امر خیر کے
مولا کے ہاتھ میں ہوں کہ قبضے میں غیر کے — دشمن کے سر سے اُٹھی ہوں دو ہاتھ پیر کے
جاتی ہوں جب پہ مثلِ اجل چھوڑتی نہیں
جوشن ہو یا کہ خود ہو مُنھ موڑتی نہیں

دنیا میں مجھ سی تیغ علیؑ سا جواں نہیں — کیوں ہوں خموش کیا مرے مُنھ میں زباں نہیں
بھاگو گے دشتِ کیں سے کدھر میں کہاں نہیں — دشمن کوئی حسینؑ کا مجھ سے نہاں نہیں
فریادِ الغیاث کو کب مانتی ہوں میں
سیّد کے قاتلو تمھیں پہچانتی ہوں میں

اُلٹے تھے آستیں جو شہنشاہِ سرفراز — جنباں تھی کربلا کی زمیں صورتِ جہاز
اعدا کی تیغ پر تھی زباں تیغ کی دراز — کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ ساز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غُل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

کوندی جو برق طاقتِ رفتار گھٹ گئی — جو صف پئے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دنیا اُلٹ گئی — آ پہونچی تھی یہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رحم نہ آئے حضور کو
مُنھ سے ملا چکے تھے سرافیل صُور کو

تلوار کیا چلی غضب آیا کریم کا — تھی جنگ یا کہ روز تھا امید و بیم کا
سب طور تھا زمانہ نارِ جحیم کا — جل جل کے مُنھ سیاہ ہوا ہر لعیم کا
شمشیر بادشاہ سلیماں بساط تھی
کیا تھمتے کافروں کے قدم کیا بساط تھی

جاتی تھی ذوالفقار جو سن سن ادھر ادھر — دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر ادھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن ادھر ادھر — ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن ادھر ادھر
ڈر ڈر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے
صف پر گری جو صف تو پرے پر پرے گرے

رو ئیں تنوں کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیئے — ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کے پرزے اڑا دیئے
گردن بچی کسی کی تو شانے اڑا دیئے — پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اڑا دیئے
اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کو لگ گیا
تن جا رہا تڑپ کے الگ سر الگ گیا

دل کانپتے تھے دیکھ کے اس کج ادا کا منھ — نابیں فنا کی راہ تو قبضہ قضا کا منھ
اژدر کے منھ سے کم نہ تھا اس جانگزا کا منھ — آفت کی چال قہر کی گرمی بلا کا منھ
پہونچے یہ واں اجل کا بھی جس جا گزر نہ ہو
لوہے کو کھائے یوں کہ زباں کو خبر نہ ہو

جب ہاتھ اٹھا تو چرخ پہ تیغ دو سر چڑھی — اتری ادھر کہ خون کی ندی ادھر چڑھی
یہ گردنوں پہ سر کے لیے پیر کر چڑھی — بس صاف کر دیا اسے جو صف نظر چڑھی
دریائے خوں فرات کے ساحل پہ بہہ گئے
وہ پار اتر گئی یہ اسی گھاٹ رہ گئے

بیٹھی وہ تیغ جب تو ستمگر نہ اٹھ سکا — لاکھوں سے بار تیغ دو سر نہ اٹھ سکا
ڈوبا کیا جہاز پہ لنگر نہ اٹھ سکا — دہشت سے کافروں کا کبھی سر نہ اٹھ سکا
یوں فرق پر چڑھی رہی اہل خلاف کے
مرکز کا جس طرح سے قدم سر پہ کاف کے

سر سے جدا تھے خود تو سر تھے جبیں سے دور قبضوں سے تیغیں دور تھیں ہاتھ آستیں سے دور
جاں جسم سے تو جسم تھے جانِ حزیں سے دور کارہ مکیں مکاں سے مکاں تھے مکیں سے دور
اُس تیغ جاں ستاں سے فقط سر قلم نہ تھے
اللہ رے تفرقہ کہ عناصر بہم نہ تھے

ہر سو پڑے تھے خاک پہ اعضا جدا جدا سر گردنوں سے جسم سے تھے دست و پا جدا
ایذا جدا تھی روح پہ قہرِ خدا جدا پانی جدا تھا خاک جدا تھی ہوا جدا
پیدا ہوئے تھے نار میں جانے کے واسطے
اک آگ رہ گئی تھی جلانے کے واسطے

حملہ جو پیدلوں پہ کیا شہ سوار نے ڈر ڈر کے سب قدم پہ لگے سر اتارنے
چھوڑا نہ صید ضیغمِ آہو شکار نے زندوں کو چُن کے ذبح کیا ذوالفقار نے
کہتی تھی گرچہ پیٹ کا بھرنا محال ہے
ہاں پی لو جو ہرو کہ لہو یہ حلال ہے

بے جاں لیے نہ تیغ شہ لافتا پھری وہ جس طرف پھری اُسی جانب قضا پھری
دل پر جدا اعدو کے گلے پر جدا پھری دم لے کے جس طرف پھری مثلِ بلا پھری
اس ناز سے چمکتی ہوئی راس و چپ گئی
کیا رعد کی بساط ہے بجلی تڑپ گئی

دست کشادہ دیکھ کے سب سنگدل چھپے کیونکر بڑھیں قدم جو دمِ جنگ دل چھپے
ڈھالوں کی آڑ میں وہ سیہ رنگ دل چھپے چمکی جو تیغ مثلِ شررِ سنگ دل چھپے
یوں سمجھو فوجِ کیں میں حسینِ دلیر کو
دیکھا ہو گر کبھی صفِ آہو میں شیر کو

حربے بھی قتل گاہ سے منھ موڑنے لگے
ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچوں کو جری چھوڑنے لگے
تیغیں پٹاک سے خاک پہ دم توڑنے لگے
چلاتی تھیں کمانیں کہ رُخ اب کدھر کریں
ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کسے ہم سپر کریں

ٹوٹا نک کی کماں کو کبادا بنا دیا
تیروں کو کاٹ کے تودا بنا دیا
رن کی زمیں کو خون کا دریا بنا دیا
ہر جزو تن کو لاشہ تجسری بنا دیا
دیتے تھے تیر کٹ کے صدا الاماں کی
پتوں کی طرح اڑتی تھیں شاخیں کمان کی

ڈھالوں پہ آئی نیزوں کو جب دیکھ بھال کے
پھل بھی لگا نہ تھا کہ گرے پھول ڈھال کے
تھرائے تیر ڈر سے شہ خوشخصال کے
تیغیں اماں طلب ہوئیں دندان نکال کے
وہ منھ کے بل پڑے تھے جو بھالے اُٹھائے تھے
دستِ اماں کو برچھیوں والے اُٹھائے تھے

تھی شعلہ وہ جو آتش شمشیر آب گوں
جل جل گئے تھے اہل جفا کے درون بر
زہرے تھے آب آب جگر ہو گئے تھے خوں
تھیں بیرقیں یزید کے لشکر کی سرنگوں
نوبت یہ پہونچی تھی کہ علم کا نشاں نہ تھا
حیدر کی ذوالفقار کا ڈنکا کہاں نہ تھا

دشمن کا پاؤں رن میں ٹھہرتا نہیں کبھی
دم اُس کا وہ غضب ہے کہ بھرتا نہیں کبھی
یہ جس کو کاٹتی ہے وہ مرتا نہیں کبھی
چڑھتا ہے زہر یوں کہ اُترتا نہیں کبھی
صدمہ غضب کا ہوتا ہے دوزخ میں جان پر
تلخی اجل کی رہتی ہے برسوں زبان پر

کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا — طالع جو نحس تھے تو انھیں پر گہن پڑا
لاشہ پہ لاشہ سر پہ سر اور تن پہ تن پڑا — کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
اوپر تلے جو کشتوں کے انبار پاتی تھی
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی

کشتے تڑپ رہے تھے برابر زمین پر — زندہ تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پر
آئی جو سن سے تیغِ دو پیکر زمین پر — گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر
سلطانِ دیں کے پاؤں پہ سر کٹ کے گر پڑا
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا

کٹ کٹ گئے جو خود تو مر مر گئے حسود — لاکھوں ہوں یا کروڑ ہوں کیا انکی ہست و بود
ظالم جو بے نمود ہوں وہ کیا کریں نمود — سر تن سے مفت کھو کے یہ نقصاں ہوا کہ سود
جھگڑا بھی یاں ادا ہوا وہ آن بھی گئی
عزت بھی آبرو بھی گئی جان بھی گئی

ہر چند ساری فوج پہ ڈھالوں کی آڑ تھی — بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
غلبہ تھا دیں کو کفر کی بستی اُجاڑ تھی — میدان ماریہ میں عجب مار دھاڑ تھی
ڈر ڈر کے مُنھ سے زہر سبھوں نے اُگل دیئے
گھوڑے کے سُم نے موذیوں کے سر کچل دیئے

سن سن چلی جو تیغ تو جی سنسنا گئے — دریا کے چوکیدار لہو میں نہا گئے
دعویٰ تھا مردمی کا یہ آنکھیں چُرا گئے — بچ بچ کے آبِ تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
مٹی نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا
دم بھر میں ذوالفقار نے بے آبرو کیا

اَفعی سا مُنھ کھلا رہا جب تک زباں چلی　　نوکیں جبے لگیں وہ پکارا سناں چلی
غُل تھا کدھر گئی کدھر آئی کہاں چلی　　اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
ہاں ہاں کا شور تھا کسی لب پر نہیں نہ تھی
جلوہ تھا ہر مقام پہ اور پھر کہیں نہ تھی

برچھی سے پھل کمان کیانی سے زہ گری　　نیزوں کی ڈانڈ کٹ کے گرہ پر گرہ گری
سر جسم سے جدا ہوا تن سے زرہ گری　　بند کمر کھلے تو ہوا غل کہ بہ گری
ابرو کے ایک اشارے میں مطلب ادا کیا
مُشکل کُشا کی تیغ نے عقدوں کو وا کیا

دریائے قہرِ حق انھیں کہنا سند ہوا　　مولا گھٹے بڑھے تو عجب جزر و مد ہوا
جس نے خدنگ قوس میں جوڑا وہ زد ہوا　　مُردے بنے جو تیر تو ترکش لحد ہوا
خوانِ عدو سے کھیت کبھی یوں سجا نہ تھا
سیفی اُلٹ پڑی ابھی چلّا کھچا نہ تھا

ڈھالیں بھی تھیں نڈھال عجب چال ڈھال تھی　　برپا تھا حشر رن میں قیامت کی چال تھی
کاٹا تھا باغ کُفر تو کیسی نہال تھی　　پیاسے جو تھے حسینؑ تو غصے سے لال تھی
پکڑا گلا تو سانس نہ دشمن سے لی گئی
دریا پہ جس کو پایا لہو اُس کا پی گئی

آفت تھی قہر تھی غضب ذوالجلال تھی　　بجلی تھی صاعقہ تھی فنا تھی زوال تھی
خنجر تھی نیمچہ تھی کٹاری تھی بھال تھی　　اعدا کے ذبح کرنے کو سحر حلال تھی
جلیا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا!
مُنھ اس کا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا

یکتا تھی بے نظیر تھی اور بے مثال تھی — کیا آزمودہ کار تھی کیا ذی کمال تھی
بجلی زمیں پہ تھی تو فلک پر ہلال تھی — اعدا پہ تیغ قبلۂ عالم پہ ڈھال تھی
آگے رہی سپر سے بھی کچھ رزم گاہ میں
حمزہؑ کی ڈھال بھی تھی اُسی کی پناہ میں

تیغ قضا تھی ضرب سے اس کے کہاں پناہ — پستی ہو یا کہ اوج نہ یاں اور نہ واں پناہ
کیونکر نہ خلق اس کو کہے آسماں پناہ — جس تیغ کی پناہ میں ہو خود جہاں پناہ
نُصرت بھی اک لقب م تیغ دو سر کا تھا
برسوں سے اُس کی پشت پہ تکیہ ظفر کا تھا

روحیں گئیں سقر میں بدن رن میں رہ گئے — جو شیر بن کے آئے تھے وہ بن میں رہ گئے
جانیں کہاں کی زخم فقط تن میں رہ گئے — ہاں طوق لعن طعن کے گردن میں رہ گئے
دوزخ میں سر اُٹھانے کی کب اُن کو بار ہے
اب گردنوں پہ تیغ تبرا سوار ہے

غل تھا کہ اس کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی — بے جاں لیے یہ تیغ ہلالی نہ جائے گی
جب آئے گی سروں پہ تو خالی نہ جائے گی — یہ وہ بلائے بد ہے کہ ٹالی نہ جائے گی
جوہر نہیں ہے تیغ شہ خوش خصال پر
سیفی لکھی ہوئی ہے دعائے ہلال پر

بجلی سی جس بدن میں وہ چل پھر کے رہ گئی — خادم کی طرح ساتھ اجل پھر کے رہ گئی
ہر صف میں پھر جنگ و جدل پھر کے رہ گئی — پھر کر تھما جو اسپ تو کل پھر کے رہ گئی
بے دم ہوا کوئی کوئی سرکش کچل گیا
آنکھوں کے سامنے سے چھلاوہ نکل گیا

معشوق سبزہ رنگ تھی وہ تیغ خضر می   لب پر لہو سے پان کی لالی سی تھی جمی
دیکھی علیؑ کے وقت سے فوجوں کی برہمی   آتش مزاج معرکہ آرا کئی ذمی
برسوں رہی بغل میں شہ مشرقینؑ کی
جھیلے ہوئے لڑائیاں بدر و حنین کی

تلواریں پیچ و تاب سے بل کھا کے رہ گئیں   پھل یوں اڑے کہ برچھیاں تھرا کے رہ گئیں
سہمے جو دل کمانیں بھی چلا کے رہ گئیں   چشم زرہ کی پتلیاں پتھرا کے رہ گئیں
ڈھالوں کے رنگ خوف سے کافور ہو گئے
چار آئینوں کے شیشۂ دل چور ہو گئے

سر اڑ گئے تنوں سے جدھر سر سری چلی   خشکی سے خوں میں ڈوب کے سوئے تری چلی
خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی   غل تھا کہ لو دکھا کے لگاوٹ پری چلی
خنجر انھیں کے ان کا لہو چاٹنے لگے
دیو اپنے آپ اپنا گلا کاٹنے لگے

چلتے میں گر کبھی کمر اس کی لچک گئی   ڈھالوں کے ابر تیرہ میں بجلی چمک گئی
اڑنے لگیں جو خون کی چھینٹیں سرک گئی   گہ آئی نہر پہ کبھی سوئے فلک گئی
برسے نہ اس ترنگ سے بادل اساڑھ کے
قربان ذوالفقار ترے گھاٹ باڑھ کے

چھوٹیں کمانیں قبضوں سے اور چٹکیوں سے تیر   کیسی لڑائی سہمے ہوئے تھے جوان و پیر
عاری تھے تیغ زن تدر انداز گوشہ گیر   اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے خود شریر
لشکر سیہ رخوں کا جو پامال ہو گیا
مارے خوشی کے تیغ کا منہ لال ہو گیا

اے بحرِ طبع بس یہ روانی کہاں تلک — ہاں اے زباں یہ چرب زبانی کہاں تلک
اے ذوالفقار شعلہ فشانی کہاں تلک — قصہ تمام کر یہ کہانی کہاں تلک
خنجر ہے اور گلوئے شہِ مشرقین ہے
خاموش ہو یہ وقتِ نمازِ حسینؑ ہے

بھولیں گے مومنوں کو نہ یہ یادگار بند — فرصت ملے تو کہہ کے سناؤں ہزار بند
برسوں نہ ہو زباں فصاحت شعار بند — سن لو کہ گریہ خیز ہیں یہ پانچ چار بند
دی ہے جو مصطفیٰ کی قسم فوج شام نے
تلوار روک لی ہے تمھارے امام نے

پہونچا ہے عنقریب لبِ بام آفتاب — شوقِ نمازِ عصر میں ہیں مضطرب جناب
دریا یہ ہیں مگر نہیں ملتا وضو کو آب — سید کو تیر مارتے ہیں خانماں خراب
منظور ہے نہ جنگ نہ ہاتھوں میں زور ہے
بجلی جو تھم گئی ہے تو کیا منھ کا شور ہے

لگتا ہے جب خدنگ تو چھٹتی ہے خوں کی دھار — کاٹھی میں فرطِ غم سے تڑپتی ہے ذوالفقار
کہتے ہیں رو کے شاہ کہ اب کیوں ہے بےقرار — بس بس کہ قتل ہو چکے دشمن کئی ہزار
کب تک وغا حسینؑ کا دل دردمند ہے
اے ذوالفقار صبر خدا کو پسند ہے

آقا شہید ہوتا ہے گھوڑے کو ہے یہ غم — حربوں سے شاہِ دیں کو بچاتا ہے دمبدم
فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے ذوالجناح تھم — پھر میں اتر پڑوں گا ہٹایاں سے گر قدم
وعدہ ہے خوں میں بھرنے کا ربِ قدیر سے
للہ اب بچا نہ مجھے تیغ و تیر سے

سینے پہ اب چڑھے گا مرے شمر روسیاہ
تجھ سے نہ دیکھا جائے تو جا سوئے خیمہ گاہ
دو دن سے میرے ساتھ ہے بے دانہ و گیاہ
شرمندہ تجھ سے ہوں بہت اے میرے خیر خواہ
عادل کا سامنا ہے شرِ مشرقین کو
مارا ہو گر کبھی تو بحل کر حسینؑ کو

کہتا ہے رو کے شاہ سے اسپ وفا شعار
جب تک ہے دم قدم کو نہ چھوڑے گا جاں نثار
رخصت کے وقت مجھ پہ جو حضرت ہوئے سوار
بنتِ علیؑ نے مجھ سے کہا تھا بحالِ زار
پھر ایک بار ڈیوڑھی پہ لانا حسینؑ کو
اے ذوالجناح چھوڑ نہ آنا حسینؑ کو

دو دن سے خود حضور ہیں بے آب بے طعام
میں کیا ہوں اے حسینؑ سکینہ ہے تشنہ کام
بچپن سے میرے حال پہ شفقت رہی مدام
میں کس زباں سے شکر کروں اے شہِ انام
برسوں چڑھے پہ دل سے اُتارا نہیں کبھی
تقصیر پہ بھی آپ نے مارا نہیں کبھی

یہ ذکر تھا ابھی کہ بڑھی فوجِ اشقیا
دو لاکھ نے امام کو حلقے میں لے لیا
زہرا نے خاک اڑا کے جو عُریان سر کیا
تھرّا گیا مزارِ شہنشاہِ انبیا
نیزے لگے جو تن پہ حسینؑ دلیر کے
بستی نجف کی ہل گئی نعروں سے شیر کے

مارا ابو الحتوق لعیں نے گلے پہ تیر
خوں ہو کے حلقِ شہ سے بہا فاطمہ کا شیر
جھکنے لگا جو غش میں علیؑ کا مہِ منیر
بھاگا لگا کے فرق پہ تلوار اک شریر
تیغوں سے پیچ سبز عمامے کے کٹ گئے
گردن سے ذوالجناح کی جھک کر لپٹ گئے

ہاں اے حسینیو یہ مصیبت کا وقت ہے	سر پیٹنے کا وقت ہے رقت کا وقت ہے
روتی ہیں فاطمہؑ کی رفاقت کا وقت ہے	گرتا ہے عرش حق یہ قیامت کا وقت ہے
نکلی رکاب پائے شہ مشرقین سے
گھوڑے پہ اب تھما نہیں جاتا حسینؑ سے

لو گر پڑے زمین پہ شبیر ہے غضب	ڈوبی لہو میں زلف گرہ گیر ہے غضب
پھر برچھیاں لگاتے ہیں بے پیر ہے غضب	زخمی گلے پہ اور لگا تیر ہے غضب
گر پڑتے ہیں زمیں پہ کبھی گہ سنبھلتے ہیں
جھک جھک کے منہ سے خون کے لختے اگلتے ہیں

دُر عدن عقیق یمن بن گئے ہیں سب	فیروزئی ہیں پیاس کی شدت سے لعل لب
ہر زخم پر لعینوں سے پانی کی ہے طلب	دیتا نہیں جواب مگر کوئی بے ادب
لب تک دہن سے بات بھی دقت سے آتی ہے
طاری ہے ضعف یہ کہ زباں لڑکھڑاتی ہے

ڈوبے ہوئے لہو میں اٹھائے ہیں دونو ہات	خالق سے یہ دعا ہے کہ اے رب پاک ذات
تو دوستوں کو آتش دوزخ سے دے نجات	عزت حیات میں ہو تو راحت پس از وفات
زیر زمیں بھی مورد لطف و کرم رہیں
یہ سب کے سب صراط پہ ثابت قدم رہیں

لب پر تھی یہ دعا کہ لگا فرق پر تبر	ریش خضاب وار ہوئی سب لہو میں تر
سجدے میں حق کے جھک گئے ہاتھوں کو ٹیک کر	واں آستیں الٹ کے بڑھا شمر بد گہر
زانو رکھا جو چھاتی پہ زہراؑ کے جائے کی
دہنی طرف سے آئی صدا ہائے ہائے کی

گھبرا کے دیکھنے جو لگا وہ ادھر اُدھر ۔ دیکھا کھڑے ہیں احمدِ مرسلؐ برہنہ سر
حیدرؑ بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر ۔ زہراؑ کی ہے صدا کہ نہ سیّد کو ذبح کر
ڈر قہرِ حق سے دست درازی کو چھوڑ دے
صدقہ نبیؐ کا میرے نمازی کو چھوڑ دے

بیکس کی کون سی ہے خطا کون سا گناہ ۔ ہے ہے مرا حسینؑ تو ہے سب کا خیر خواہ
بے سر اگر ہوا یہ غریبوں کا بادشاہ ۔ ہو جائیں گی سفر میں نبی زادیاں تباہ
یہ ظلم و جور احمدؐ و حیدرؑ کے سامنے
بیٹے کو ذبح کرتا ہے مادر کے سامنے

ہٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جفا شعار ۔ چلایا بڑھ کے یوں پسرِ سعدِ نابکار
جلدی پھرا دے شہ کے گلے پر چھری کی دھار ۔ ڈرتا ہے کیوں یہ سحر ہے اے مردِ نامدار
اب حشر ہوگا اس جسدِ پاش پاش پر
سر کھولے زینبؑ آتی ہے بھائی کی لاش پر

سیّد یہ ہو رہا ہے ادھر ظلم بر ملا ۔ زخمی گلے پہ دوڑ کے رکھ دے گی وہ گلا
بنتِ علیؑ کو روک سکے گا کوئی بھلا ۔ ڈر ہے اُلٹ نہ جائے کہیں دشتِ کربلا
خلعت لے اسپ گہرِ شاہوار لے
تن سے سرِ حسینؑ کو جلدی اُتار لے

یہ سن کے اُس شقی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو ۔ خنجر رکھا گلے پہ نبیؐ کے رُو بَرُو
بولے یہ آنکھیں کھول کے شبیرؑ نیک خو ۔ اماں تڑپ رہی ہیں زمیں پر کُشادہ مو
ثابت ہوا مجھے کہ اجل اب قریب ہے
کہہ دے ابھی ہے دور کہ زینبؑ قریب ہے

خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا ۔۔۔ سیدانی ایک خیمہ سے نکلی ہے ننگے پا
شہ بولے یاں سے سامنا ہے خیمہ گاہ کا ۔۔۔ لے چل مجھے نشیب میں اے بانیِ جفا
بھائی کے مرتے وقت بہن کا گزر نہ ہو
یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو

یہ کہہ کے خود نشیب کی جانب چلے امامؑ ۔۔۔ مُڑ مُڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام
سجدے میں واں پہنچ کے جھکے پھر شہِ انام ۔۔۔ فرمایا الغیاث قیامت کا ہے مقام
خنجر سے ذبح جان و دلِ فاطمہؑ ہوا
جس جا ہے قتل گاہ وہیں خاتمہ ہوا

اس وقت پہنچی زینبؑ ناشاد و نوحہ گر ۔۔۔ جب شمر ہاتھ میں لیے جاتا تھا شہ کا سر
بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں اِدھر اُدھر ۔۔۔ رُخسار دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
تھی خاک سجدہ گاہ جبیں پر حسینؑ کی
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؑ کے نورِ عین کی

قرآن پڑھ رہا تھا سرِ ابنِ بو ترابؑ ۔۔۔ اور ریش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
روشن تھا بعد قتل بھی رُخ مثلِ آفتاب ۔۔۔ ظاہر یہ تھا لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

چلائی سر کو دیکھ کے زینبؑ جگر فگار ۔۔۔ ہے ہے شہید ہو گیا نانا کا یادگار
سید تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار ۔۔۔ بھیا بہن کے آنے کا تم کو تھا انتظار
شاید ابھی چلی ہے چھری حلقِ پاک پر
تازہ لہو رگوں سے ٹپکتا ہے خاک پر

کیا چپکے چپکے جان دی اے شاہ دیں پناہ سر تن سے کٹ گیا نہ پکارے بہن کو واہ
آئی صدا کہ بات کی فرصت ملی نہ آہ زینب ہمارے حال کی ہیں فاطمہ گواہ
خنجر گلے پہ سینے پہ قاتل سوار تھا
اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا

قاتل بڑھا جو لے کے سر سرورِ زمن کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اے بہن
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ بے وطن آئی صدائے دخترِ محبوبِ ذوالمنن!
بیٹی ترے شہید برادر کے ساتھ ہوں
تو جا کے ڈھونڈھ لاش کو میں سر کے ساتھ ہوں

چلائی وہ کہ لاشۂ عریاں ہے کس طرف ہے ہے تنِ امامِ غریباں ہے کس طرف
اے طائرو وہ فخرِ سلیماں ہے کس طرف اے دشتِ کربلا ترا مہماں ہے کس طرف
زہرا کی عمر بھر کی کمائی کو کیا کیا
بتلا دے اے زمیں مرے بھائی کو کیا کیا

یہ کہتی تھی کہ لاشۂ بے سر نظر پڑا بس دوڑ کر لپٹ گئی وہ غم کی مبتلا
چلائی ہائے بھائی یہ کیسا ستم ہوا آئی صدا یہ لاش سے جو مرضی خدا
کچھ غم نہیں جو ذبح میں ناکام ہو گیا
امت کی مغفرت کا سرانجام ہو گیا

بس اے انیس اب تو ہے شورِ فغان و آہ آمین زبان و دل سے کہیں عاشقانِ شاہ
آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا الٰہ رکھ میرے دوستوں کو جہاں میں بعزّ و جاہ
یارب ہرا بھرا چمنِ آرزو رہے
جب تک چمن میں گل رہے اور گل میں بو رہے

صدر انجمن محافظ اردو حضرت مہذب لکھنوی کے

ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی حسب ذیل کڑیاں

۱	افکار تعشق	جلد اول حضرت تعشق کے چھ غیر مطبوعہ مراثی	قیمت	دو روپیہ
۲	گلزار رشید	حضرت رشید کے چھ منتخب مراثی غیر مطبوعہ	″	دو روپیہ
۳	وقار انیس	حضرت انیس کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مرثیے	″	دو روپیہ
۴	شعار دبیر	حضرت دبیر کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ سات مرثیے	″	دو روپیہ
۵	معیار کامل	حضرت مولوی علی میاں صاحب کامل کے غیر مطبوعہ مرثیے	″	دو روپیہ
۶	بازار سخن	جاوید، حدید، دانش، مولوی برکت اللہ رضا، عشق، مولانا سبط حسن صاحب فاطر، بنے صاحب مشتاق کے غزلیات کا مجموعہ	قیمت	دو روپیہ
۷	بہار مؤدب	حضرت مؤدب رحمہ اللہ کے چھ غیر مطبوعہ مرثیے	″	دو روپیہ
۸	اذکار محسن	سلطان عالم واجد علی شاہ اختر۔ حمید حسین، نور رشید، نصرت، سرشار، عارف سب کے منتخب مراثی غیر مطبوعہ کا مجموعہ	″	دو روپیہ
۹	آثار عشق	حضرت عشق کے سات مطبوعہ و غیر مطبوعہ مراثی کا مجموعہ	″	دو روپیہ
۱۰	نگار نفیس	حضرت نفیس کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مراثی کا مجموعہ	″	دو روپیہ
۱۱	مراثی میر	میر تقی میر کے ۳۱ مرثیوں کا مجموعہ ...... مجلد	″	تین روپیہ
۱۲	اسرار محسن	ادب، انس، جاوید، حسین۔ ذکی، قدیم، ماہر کے منتخب مراثی کا مجموعہ	″	دو روپیہ

۱۳ گلستان رشید یعنی دیوان رشید لکھنوی .... مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ

۱۴ آئینہ نظم آزاد عالی جناب چودھری سید حسن کاظم صاحب رئیس کھواڑ

کی آزاد شاعری کے خلاف لاجواب تصنیف قیمت ایک روپیہ

۱۵ افکار تعشق (جلد دوم) حضرت تعشق کے غیر مطبوعہ مراثی کی جلد۔ ر دو روپیہ

۱۶ دیوان مصحفی استاد آتش لکھنوی کے غزلیات کا مجموعہ مجلد ر دو روپیہ

۱۷ مختار وحید حضرت وحید کے غیر مطبوعہ مراثی کی جلد قیمت دو روپیہ

دور شاعری } اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب جس میں زبان اردو کی عام وخاص غلطیاں مع تصحیح ناولانہ رنگ میں پیش کرکے انتہائی دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے شعر وسخن کے معائب بھی دلکش پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک فرضی مکمل استاد نے دو فرضی شاگردوں کو ابتدا سے انتہا تک غزلوں پر اصلاح دی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد شعر میں فنی اور تقریر وتحریر میں زبان کی غلطی کا ایک بڑی حد تک امکان نہیں رہتا۔ نہایت نفیس جلد بندھوائی گئی ہے۔ کاغذ چکنا اور قیمتی لگایا گیا ہے۔ قیمت مجلد صہ غیر مجلد للعہ ر

دور تعشق } اس کتاب میں ناخدائے سخن حضرت تعشق مرحوم کا مختصر دیوان چند غیر مطبوعہ غزلیات وقصائد ورباعیات اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ درحال حضرت سید الشہدا شامل ہیں اس کے علاوہ اردو کا ایک مختصر لغت، مرحوم کا بلاک اور ان کے سوانح حیات بھی شامل ہیں۔ جناب مؤدب مرحوم کے تقریباً چوالیس بند بھی ہیں۔ جن میں معائب شعر نظم ہیں۔ قابل دید کتاب قیمت

مجلد عہ غیر مجلد عہ

منیجر محافظ اردو بک ڈپو
نیا محل منصور نگر لکھنؤ

ادب دوست حضرات ملاحظہ فرمائیں

اُردو زبان اس دور میں کتنی دشوار منزلیں طے کر رہی ہے اور کتنے مخالفین کا مقابلہ کر رہی ہے۔ لیکن اس کی دلکشی اور ہر دلعزیزی کو عنقریب خوف ہے کہ مغلوب ہونا پڑے چنانچہ خدمت زبان و ادب کے خیال سے جو سلسلہ قائم کیا گیا ہے جس کی بارھویں قسط میں آپ یہ اعلان پڑھ چکے ہیں یہ زریں سلسلہ باقی رہنے کے قابل ہے۔ ہر ماہ میں اساتذہ کا غیر مطبوعہ کلام شائع کیا جاتا ہے۔ بہ کثرت شعرا کو زندہ کیا جا چکا ہے۔ اور انشاءاللہ زندہ کئے جائیں گے لیکن بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ ممبرانِ خصوصی یعنی وہ حضرات جو چندہ سالانہ مبلغ للعہ عنایت فرمانے کا وعدہ فرمائے ہوئے ہیں۔ عطا فرما دیں۔ کیونکہ انجمن محافظ اُردو سترہ قسطیں پہونچا چکی ہے اور چندہ سالانہ وصول نہ ہوا اور حضرات توجہ نہ فرمائیں تو یہ زبان و ادب کی کھلی ہوئی بدقسمتی کہی جائے گی۔ آپ زیادہ سے زیادہ ممبر بنوائیے۔ اپنا چندہ ارسال فرمائیے۔ تاکہ یہ سلسلہ باقی رہے۔ حضرات یہ تعلّی نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں یہ سلسلہ باقی رہنا چاہیئے۔ میں بہت زیادہ وقت عزیز خدمت میں صرف کرتا ہوں میرے بعد اہل ذوق کو ارمان رہے گا۔ کہ کسی کا غیر مطبوعہ کلام طبع ہو اور ہم دیکھیں۔ افسوس یہ کہ حضرات کو سترہ قسطیں پہونچ گئیں۔ مگر چندے کا کہیں سے نام نہیں۔ میں کوئی اور مدد نہیں چاہتا۔ صرف خریداری سے امداد فرمائیے۔

خیر طلب

مہذب بقلمہ

حضرات ممبران

مختار وحید سترھویں قسط شائع ہونے کے بعد۔ وقار انیس جلد دوم اٹھارویں قسط کی اشاعت میں تاخیر کی وجہ کے بہت سے سبب ہو گئے سب سے بڑے دو سبب ہوئے کہ ایام عزا میں صدر انجمن محافظ اردو حضرت مہذب مدظلہ کا برابر مجالس پڑھنے کے لیے بیرونجات میں تشریف لے جانا ہوا اور لکھنؤ کے سالانہ مجالس کی خوانندگی و شرکت مجالس نے جناب موصوف کو بالکل وقت نہیں دیا۔ دوسرا سبب جناب صدر کی علالت رہی چہلم جناب سیدالشہدا کے بعد سے جو سلسلہ علالت قائم ہوا وہ تقریباً ڈیڑھ ماہ رہا۔ اب خدا کا فضل ہے۔ جناب صدر دفتر میں تشریف لانے لگے ہیں جس طرح سلسلہ خدمت جاری تھا خدا سے امید ہے کہ جاری رہے گا۔

وہ لغت اردو جو جناب صدر نے تیار فرمایا تھا اس کا مسطر طبع ہو گیا ہے۔ دفتر میں لغت کی تیاری کا کام شروع ہے۔ بہت جلد انشاء اللہ تعالیٰ منظر عام پر آنیوالا ہے۔ شاید حضرات یہ خیال فرمائیں کہ ایسے اعلانات تو برسوں سے ہو رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ زمانے کی ناسازگاری سے تاخیر ہوئی انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں بہت جلد لغت کا مطالعہ فرمائیے گا۔

اطلاع

انیسویں قسط حضرت نفیس رحمۃ اللہ کا ایک مرثیہ ہے جو تقریباً ۲۱۶ بند کا ہے جس پر جناب انیس کی بہت زائد اصلاح ہے۔ مرثیہ مع اصلاح شائع ہو رہا ہے۔ حضرت مہذب مدظلہ نے ہر ہر بند اور اس کی اصلاح کی تشریح فرمائی ہے۔ کہ کیوں اصلاح دی کیا عیب تھا۔ بڑی بڑی فنی بحثیں چھڑی ہیں۔ قابل دید قسط ہے۔

(از ادارہ)